وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر: ۲۵ شمارہ نمبر: ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۸ھ نومبر ۲۰۲۶ء

بیاد

شمس العلماء

حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام

حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین

حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین

حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم

سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485

Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی دہلی گیٹ ملتان

شائع کردہ: مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

انحراف کیا ہے؟	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	۳
پاک سعودی تعلقات اور مشترکہ ذمہ داریاں	حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۶
حدیث اربعین اور اربعینات کا تعارف	مولانا رشید احمد فریدی	۹
صحابۂ واہلِ بیتِ کرام کا مقام	محمد اَحمد حافظ	۱۶
عربی زبان اور دوسری زبانوں کے لسانی اثرات	مولانا شفیق الرحمٰن یوسفزئی	۲۲
سائنس اور کائنات کی تخلیق میں غور وفکر	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۲۶
تسخیر کائنات سے شکست نفس تک	مولانا عبید انور شاہ	۴۰
حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ	قاری غلام مصطفیٰ معاویہ	۴۳
چمن وقلعہ عبداللہ کے اربابِ مدارس کا اجلاس	مولانا عبید اختر رحمانی	۵۳
رودادِ اجلاس اتحادِ تنظیماتِ مدارس، خیبر پختونخوا	مفتی سراج الحسن	۵۶
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	۶۲

﴿مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں﴾

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 540 روپے

انحراف کیا ہے؟

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں منعقد کانفرنس بعنوان "أثر الفتوى في مواجهة الانحرافات الفكرية" **میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے ایک مختصر محاضرہ پیش کیا۔ اس محاضرہ کا خلاصہ اردو میں پیش خدمت ہے۔**

حمد وصلوٰۃ کے بعد حضرت نے کانفرنس کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا اور پھر سب سے پہلے اس سوال کو ڈسکس کیا کہ انحراف ہے کیا؟ انحراف جادّۂ حق سے ہٹ جانے، یعنی صراطِ مستقیم سے عدول کرنے کا نام ہے۔ انسان جب بھی صراطِ مستقیم سے دائیں یا بائیں مڑ جائے، وہ منحرف ہے۔ اور صراطِ مستقیم وہ ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں یا اپنے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بیان فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں گواہی دی:

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (اور بلاشبہ آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں)۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس شاہراہ سے بہت سے انحرافات پیدا ہوں گے، لیکن ساتھ ہی قیامت تک کے لیے ہم سب کو یہ رہنمائی بھی دے دی کہ صراطِ مستقیم وہی ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

چنانچہ صراطِ مستقیم قرآنِ کریم اور سنتِ نبویہ ہے، اسی فہم کے مطابق جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلفِ صالحین نے سمجھا۔ جو شخص اس طریقے سے ہٹے، وہ منحرف ہے۔

انحرافات کا پس منظر:

یہ انحرافات صحابہ کے زمانے سے شروع ہو گئے تھے۔ خوارج آئے، پھر معتزلہ، جہمیہ، کرامیہ جیسے فرقے پیدا ہوئے، جو برسوں عوام پر اثر انداز رہے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ

(جھاگ تو سوکھ کر ضائع ہو جاتا ہے، اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے)۔

چنانچہ یہ سارے منحرف نظریات آخر کار مٹ گئے اور اب کتابوں اور تاریخ کے صفحات کے سوا کہیں نہیں ملتے۔ اسی طرح موجودہ دور کے انحرافات بھی، خواہ کتنے ہی عام اور پھیلے ہوئے ہوں، ان شاء اللہ مسلمانوں اور علماء کی کوششوں سے ختم ہوجائیں گے۔

انحراف کی جڑ اور دو قسمیں:

ان سب انحرافات کی جڑ نصوص کی غلط تاویل ہے۔ آج کے دور میں یہ دو صورتوں میں سامنے آتا ہے:

پہلی قسم؛ غلو: صحیح اور گہرے علم کے بغیر نصوص کی تعبیر کرنا، جس نے بہت سے لوگوں کو انتہا پسندی تک پہنچایا۔ وہ مسلمانوں کی تکفیر، تبدیع اور تضلیل کرنے لگے، خصوصاً مسلم ممالک کے حکمرانوں کو گمراہ اور مرتد قرار دے کر یہ فتویٰ دینے لگے کہ عام لوگوں پر ان کے خلاف ہتھیار اٹھانا واجب ہے، اور اسے ''جہاد'' کا نام دے دیا۔ حضرت کے بقول اسے نہ قرآن قبول کرتا ہے نہ سنت۔ یہ نصوص کو غلط طریقے سے پڑھنے کا نتیجہ ہے، اور اسی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلو کرنے والوں کی تحریف اور جاہلوں کی تاویل کہہ کر اشارہ فرمایا۔

دوسری قسم؛ نصوص سے انحلال: یعنی نصوص کی پابندی سے آزادی اختیار کرنا۔ ایک طبقہ ایسا ہے جس نے اپنے آپ کو مغربی نظریات کے حوالے کر دیا، اور یہ اعتقاد بنالیا کہ حق سارا کا سارا وہی ہے جو اہلِ مغرب فلسفے اور علوم میں مانتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نصوص کی گردنیں مروڑ کر انہیں اپنی ان خواہشات کے مطابق ڈھال لیں جو مغربی نظریات پر قائم ہیں۔ یہ بھی اسی فکری انحراف کا حصہ ہے جس میں ہم اپنے دور میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ اسی بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ سارا کا سارا حق مغرب ہی کے نظریات، فلسفے، آراء اور افکار میں ہے، اور وہ نصوص کی گردنیں اپنی خواہشات اور آراء کے مطابق موڑنا چاہتے ہیں۔ آج کے دور کے فکری انحرافات کی یہی دو قسمیں ہیں: ایک طرف غلو، دوسری طرف نصوص سے بے قیدی!۔

علماء کی ذمہ داری اور کردار:

حضرت نے فرمایا: دنیا بھر کے علماء پر لازم تھا کہ وہ قطعی دلائل کے ساتھ ان دونوں انحرافات کا مقابلہ کرتے، ایسے دلائل سے جو عوام اور خصوصاً نوجوانوں کو مطمئن کر دیں۔ اس میں مملکتِ سعودی عرب کا بڑا کردار ہے، اور یہ اس کی حیثیت کے مطابق ہی تھا، کیونکہ وہ حرمین شریفین اور جزیرۃ العرب کی محافظ ہے۔ اس نے فکری اور عملی دونوں سطح پر سنجیدہ اقدامات کیے۔ اس سلسلے میں انہوں نے خاص طور پر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا ذکر کیا، جس نے قرآن وسنت کے علوم سلفِ صالحین کے منہج پر پڑھائے، اور مشرق ومغرب میں پھیلی ہوئی مسلمانوں کی ایک ایسی نسل تیار

کی جو غلو اور بے قیدی دونوں سے دُور ہے اور صحیح منہج پر قائم ہے۔ اس پر انہوں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

فتوی کا کردار: پھر حضرت نے فتویٰ کے کردار کی بات کی، کیونکہ منحرف افکار کے مقابلے میں فتویٰ کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ انہوں نے سعودی عرب کے ان اداروں کا نام لیا: ''ہیئۃ کبار العلماء''، ''اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء''، ''رابطۃ العالم الاسلامی'' کی ''مجمعِ فقہی''، اور ''مجمع الفقہ الاسلامی الدولی''، جسے سعودی عرب کی سرپرستی حاصل ہے۔ ان اداروں نے افتاء، گہری علمی تحقیق اور افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کے ذریعے عصری مسائل حل کیے، اور ایسے ٹھوس فتاویٰ جاری کیے جو پورے عالمِ اسلام میں پھیلے اور ہر قسم کی انتہا پسندی، چاہے غلو کی ہو یا نصوص سے بے قیدی کی، کا مؤثر جواب بنے۔

دوسرے ممالک میں بھی ایسے علماء موجود ہیں جنہوں نے ان باطل افکار کا مقابلہ کیا، کتابیں لکھیں، خطبات دیے اور صراطِ مستقیم کی دعوت دی، اور امت ان شاء اللہ راسخ العلم اور معتدل علماء سے کبھی خالی نہیں ہوگی، لیکن چونکہ اسلام کا سرچشمہ مکہ اور مدینہ ہیں، اس لیے ذمہ داری اس سرزمین پر دوسروں کی نسبت زیادہ ہے۔

سوال: مذاہب کے بارے میں جمود اور تعصب:

نظامت کرنے والے صاحب نے درخواست کی کہ آخر میں ایک اور بات مختصراً بیان فرمادیں کہ بعض اوقات فقہی مذاہب کے بارے میں جمود اور تعصب بھی فکری انحراف کو ہوا دیتا ہے۔

جواب: حضرت نے فرمایا کہ: تمام فقہی مذاہب معتبر ہیں۔ صحابہ کے درمیان بھی اختلاف رہا، مگر کسی صحابی سے یہ منقول نہیں کہ اس نے کسی مختلف رائے رکھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کیا ہو۔ یہ مذاہب فقہی مذاہب ہیں، الگ دین نہیں۔ اس لیے سب مذاہب اور ان کے پیروکاروں کا احترام کرنا چاہیے، ان کے درمیان اتحاد کی فضا قائم رکھنی چاہیے، اور فقہی اختلافات کو مسلمانوں کے درمیان تفرقے اور دوری کا سبب نہیں بننے دینا چاہیے۔ منحرف افکار کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے۔ (تلخیص: مفتی شاد محمد شاد)

پاک سعودی تعلقات اور مشترکہ ذمہ داریاں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات محض دو ممالک کے درمیان سفارتی روابط کا نام نہیں بلکہ یہ دینی عقیدت، اسلامی اخوت، تاریخی وابستگی، باہمی احترام اور عوامی محبت کے مضبوط رشتوں پر قائم ایک منفرد تعلق ہے۔ دونوں ممالک کے عوام کے دل ایک دوسرے کے ساتھ غیر معمولی محبت اور خیر خواہی کے جذبات سے وابستہ ہیں اور یہی تعلق پاک سعودی دوستی کی سب سے بڑی قوت ہے۔

سعودی عرب پاکستان کے لیے اس اعتبار سے بھی خصوصی اہمیت رکھتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ مسلمانوں کے مقدس ترین مراکز ہیں۔

پاکستان کے عوام کے دل حرمین شریفین کی محبت سے معمور ہیں اور سعودی عرب کی سرزمین، خصوصاً حرمین شریفین کی خدمت اور زائرینِ حرمین کے لیے سہولیات کی فراہمی کو قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

پاک سعودی تعلقات کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ دونوں ممالک نے مشکل وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہے۔ پاکستان میں آنے والے سیلاب ہوں، زلزلے ہوں یا دیگر قدرتی آفات، سعودی عرب نے مختلف مواقع پر پاکستانی عوام کی امداد اور بحالی کے کاموں میں تعاون کیا ہے۔

قدرتی آفات کے مواقع پر سعودی حکومت اور عوام کی طرف سے پاکستان کے متاثرین کے ساتھ ہمدردی اور امداد کا اظہار اس بات کی علامت ہے کہ دونوں ممالک کے تعلقات صرف سفارتی سطح تک محدود نہیں بلکہ انسانی اور عوامی سطح پر بھی گہری جڑیں رکھتے ہیں۔

اسی طرح سعودی عرب میں مقیم لاکھوں پاکستانی دونوں ممالک کے درمیان ایک مضبوط انسانی پل کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ سعودی عرب کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور دونوں برادر ممالک کے درمیان معاشی، سماجی اور عوامی روابط کو مضبوط بنانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

لاکھوں مسلمان حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حجاز مقدس کا سفر کرتے ہیں۔

پاکستانی عوام سعودی عرب میں حجاج اور معتمرین کے لیے فراہم کی جانے والی سہولیات، انتظامات اور خدمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حرمین شریفین کی خدمت ایک عظیم دینی ذمہ داری ہے اور دنیا بھر کے مسلمان اس حوالے سے سعودی عرب کے کردار کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا امن وسکون کسی ایک ملک یا خطے کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

موجودہ حالات میں سعودی عرب کی سلامتی اور استحکام کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں جاری کشیدگی اور مختلف مسلح تنازعات نے پورے خطے کے امن کو متاثر کیا ہے۔

لاکھوں پاکستانیوں کے روزگار اور معاشی ضروریات کا بھی اس سے گہرا تعلق ہے۔ سعودی عرب کا امن واستحکام پاکستانی عوام کے لیے بھی اہمیت رکھتا ہے۔

سعودی عرب کے خلاف حوثیوں کی جانب سے کیے جانے والے ڈرون اور میزائل حملوں نے خطے کی سلامتی کے حوالے سے مزید تشویش پیدا کی ہے۔ خصوصاً مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے حوالے سے کسی بھی قسم کا خطرہ پوری امت مسلمہ کے لیے انتہائی حساس معاملہ ہے۔

حرمین شریفین کا تقدس اور سلامتی ہر مسلمان کے ایمان اور عقیدے کا معاملہ ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی طرف کسی بھی قسم کی جارحیت یا خطرے کو معمول کا علاقائی تنازع سمجھنا درست نہیں ہوگا۔ ان مقدس مقامات کی حفاظت، امن اور تقدس کا برقرار رہنا پوری امت کی ذمہ داری ہے۔

انہی بدلتے ہوئے علاقائی حالات میں پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے درمیان مکہ جوائنٹ ڈیفنس ایگریمنٹ ایک اہم پیش رفت ہے۔ مکہ مکرمہ میں ہونے والے اس معاہدے نے تینوں ممالک کے درمیان دفاعی تعاون اور باہمی سلامتی کے عزم کو ایک نئے مرحلے میں داخل کیا ہے۔

اس معاہدے کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ یہ تین برادر مسلم ممالک کے درمیان باہمی اعتماد اور تعاون کو مزید منظم کرنے کی کوشش ہے۔ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان پہلے سے موجود دفاعی، عسکری اور سکیورٹی تعاون کی ایک طویل تاریخ ہے۔

پاکستانی فوج کے افسران اور جوانوں نے سعودی عرب کے ساتھ مختلف ادوار میں تربیت اور دفاعی تعاون کے شعبوں میں خدمات انجام دی ہیں، جبکہ دونوں ممالک کے درمیان عسکری رابطے مسلسل قائم رہے ہیں۔ مکہ ایگریمنٹ اسی وسیع تر تعاون کو مزید آگے اور مسلم ممالک کے باہمی اتحاد بڑھانے کی ایک قابل تحسین کوشش ہے۔

پاک سعودی تعلقات کی بنیادیں اتنی گہری ہیں کہ انہیں کسی ایک حکومت، ایک دور یا کسی ایک واقعے تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تعلقات عوامی، مذہبی، معاشی، تعلیمی، دفاعی اور سفارتی سطح پر مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان موجود اعتماد کو مزید مضبوط کیا جائے، تجارت اور سرمایہ کاری کے مواقع بڑھائے جائیں، نوجوانوں کے لیے تعلیمی و پیشہ ورانہ مواقع پیدا کیے جائیں اور دینی و ثقافتی روابط کو مزید فروغ دیا جائے۔

خصوصاً پاکستانی نوجوانوں اور سعودی عرب کے نوجوانوں کے درمیان علمی، تعلیمی اور ثقافتی روابط مستقبل میں دونوں ملکوں کے تعلقات کو مزید مضبوط بنیاد فراہم کر سکتے ہیں۔

موجودہ حالات میں پاکستان میں سعودی عرب کے نئے سفیر ڈاکٹر راجح بن طمی البقمی کی تقرری اور آمد بھی خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ نئے سفیر ڈاکٹریٹ کی ڈگری اور فوجی پس منظر رکھتے ہیں اس اعتبار سے وہ اس وقت کا ایک بہترین انتخاب ہیں۔

وہ ایسے وقت میں پاکستان تشریف لائے ہیں جب دونوں ممالک کے تعلقات، دفاع، سلامتی، معیشت، سرمایہ کاری، مذہبی روابط اور عوامی سطح پر تعاون کے حوالے سے اہم مرحلے میں ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ڈاکٹر راجح بن طمی البقمی کے دورِ سفارت میں پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات مزید مضبوط ہوں گے، باہمی اعتماد میں اضافہ ہوگا اور دونوں ممالک کے درمیان معاشی، تعلیمی، دفاعی، مذہبی اور عوامی روابط کو نئی وسعت ملے گی۔

پاکستانی قوم سعودی عرب کو اپنا برادر اسلامی ملک سمجھتی ہے اور سعودی عرب کے امن، استحکام، خودمختاری اور حرمین شریفین کی سلامتی کے لیے ہمیشہ خیر خواہی کے جذبات رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حرمین شریفین کو ہمیشہ امن و سلامتی کا مرکز بنائے، مملکت سعودی عرب کو امن و استحکام عطا فرمائے، پاکستان اور سعودی عرب کے برادرانہ تعلقات میں مزید خیر و برکت عطا فرمائے اور دونوں ممالک کو امت مسلمہ کے وسیع تر مفاد، امن اور خیر کے لیے مزید مؤثر کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حدیث اربعین اور اربعینات کا تعارف

مولانا رشید احمد فریدی

الحمد للہ ربّ العٰلمین، الذی خلق الانسان فی اطوار الاربعین، والصلوۃ والسلام علی من بعث علی رأس الاربعین، وعلی من صحبہ وتبعہ باحسان الی یوم الدین۔

جمع وحفاظتِ قرآن مجید کے بعد احادیث نبویہ اور سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع وضبط، حفاظت وصیانت پر جن احوال وظروف اور ارشاداتِ خاتم الانبیاء نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کو آمادہ کیا ہے اُن میں اُن بشارتوں کا بھی ایک خاص مقام ہے جن کی وجہ سے علمائے امت کے لیے صحرائے احادیث کے سنگ پاروں اور بحر آثار کے قطروں کو محفوظ کرنا ایک اہم علمی وظیفہ اور دینی خدمت بن گیا۔ مثلاً:

نضّر اللہ عبدًا سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا الخ اور نضّر اللہ امرأ سمع منّا شیئا فبلّغہ کما سمع الخ اور من حفظ علی امتی اربعین حدیثا من امر دینھا بعثہ اللہ یوم القیامۃ فی زمرۃ الفقھاء والعلماء وغیرھا۔

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس حدیثوں کے حفظ ونقل پر جو عظیم بشارت دی ہے اس کے پیش نظر خیرالقرون سے اب تک بے شمار لوگوں نے احادیث کی حفاظت کی اور زبانی یا تحریری طریقہ سے دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کیا، چناں چہ فن حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ کتب احادیث کی اقسام میں محدثین نے ایک خاص قسم "اربعینات" بھی ذکر کی ہے، اِن اربعینات کا تعارف پیش کرنے سے قبل مذکورہ بالا حدیث اربعین کے کچھ متعلقات ذکر کرنا مناسب اور مفید ہوگا۔

یہ حدیث امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول، کئی صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہم سے مختلف الفاظ کے ساتھ کئی طرق سے مروی ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں "کنتُ لہ یوم القیامۃ شفیعًا وشہیدًا" ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں "قیل لہ اُدخلِ الجنۃ من اَیِّ ابوابِ الجنۃ شِئتَ" آیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں "کُتِب فی زمرۃ العلماء و حُشِر فی زمرۃ الشھداء" منقول ہے۔ اور ابوسعید

خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں "اَدخَلتُہ یوم القیامۃ فی شفاعتی" وارد ہے۔ نیز بعض روایت میں "اربعین حدیثا من السنۃ" یا "مِن سنتی" کا لفظ ہے۔ اور بعض میں "من حفظ علی امتی" کے بجائے "من حمل مِن امتی" کا لفظ پایا جاتا ہے۔ (الجامع الصغیر للسیوطی، الاربعین للنووی)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث تیرہ (13) صحابہ کرام سے وارد ہوئی ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عِلَل میں اُن تمام کی تخریج کی ہے اور امام منذری نے اس حدیث پر مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے اور میں نے املاء میں اس کی تلخیص کی ہے، ایک جز میں حدیث کے تمام طرق کو جمع کیا ہے"۔ (فیض القدیر، ج:6،ص:155)

علامہ عبدالرؤف مناوی صاحب فیض القدیر حدیث کے الفاظ مختلفہ کے مابین جمع وتطبیق یا حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اربعین کے حفظ کرنے والے قیامت کے دن مختلف المراتب ہوں گے، بعضوں کا حشر زمرۂ شہداء میں ہوگا اور بعضوں کو علماء میں اور بعض کو بحیثیت فقیہ وعالم اٹھائیں گے، اگرچہ وہ دنیا میں ایسا نہیں تھا۔ (شرح اربعین لابن دقیق العید)

حدیث اربعین کا حکم:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں بحوالہ ابن النجار اس حدیث کو نقل کرکے اس پر صحیح کی علامت لگائی ہے، البتہ محققین کا اتفاق ہے کہ یہ خبر اپنے جمیع طرق کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ **قال ابن حجر... ثم جمعت طرقه فی جزء لیس فیها طریق تسلم من عِلة قادحة (فیض القدیر) و اتفق الحفاظ علی انه حدیث ضعیف و ان کثرت طرقه (اربعین للنووی)**

مگر چوں کہ فضائل میں عمل بالضعیف درست ہے، خصوصاً جب کہ کثرت طرق وغیرہ امور سے حدیث میں قوت آجاتی ہے۔ **وقد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال (اربعین للنووی) قال ابن عساکر: الحدیث روی عن علی رضی الله عنه ... و ابی سعید رضی الله عنه باسانید فیها کلها مقال، لیس للتصحیح فیها مجال، لکن کثرة طرقه تقوّیه (فیض القدیر، ج:6،ص:154)** یہی وجہ ہے کہ فضیلت وثواب کی تحصیل اور سعادت اخروی کے حصول کی خاطر علمائے امت نے اربعین پر اتنی تصنیفات وتالیفات کی ہیں کہ لاتُعد ولاتُحصٰی۔

تنبیہ: متقدمین ومتأخرین اصحابِ حدیث کا عمل بالحدیث الضعیف کے جواز پر قولاً اتفاق اور خیر القرون سے اب تک بغیر فترت کے ہر زمانہ میں علماء کا اس عظیم بشارت کے پیش نظر حدیث اربعین کا حفظ ونقل یا تصنیف وتالیف پر

عملاً اجماع ایک مسلّم حقیقت ہے، اس تواترِ عملی اور اجماعِ قولی کے مقابل غیر مقلدین کا نظریہ اور ان کا شور وشغب کہ "فضائل میں بھی ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں ہے" لا یعنیٰ بہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ آفتاب عالم تاب کے سامنے ٹمٹماتے چراغ کا وجود سچ پوچھیے تو خود اس کی ذات کے لیے باعث شرمندگی ہے، پس اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرنے والے (غیر مقلدین) اگر حدیث میں فہم صحیح کی اہلیت اور عمل بالحدیث کی لیاقت پیدا کر کے، سبیل المومنین یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کی طرح، حقائق کو تسلیم کرتے ہیں تو یہ ان کے حق میں نفع ہے اور آخرت میں سودمند ہوگا۔ ورنہ کہیں سبیل المومنین سے روگردانی اور کنارہ کشی اللہ کی ناراضگی کا سبب اور غضبِ الٰہی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

عمل بالاربعین کی لطیف صورت:

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ اربعین کا پہلا عدد رُبع عشر ہے، پس جس طرح حدیثِ زکوٰۃ ربع عشر بقیہ مال کی تطہیر پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح ربع عشر پر عمل بقیہ احادیث کو غیر معمول بہا ہونے سے خارج کر دیتا ہے۔ چناں چہ بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اے اصحاب حدیث! ہر چالیس میں سے ایک حدیث پر عمل کرلو۔ (شرح اربعین لابن دقیق العید)

امام نووی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اِس سلسلہ میں عبداللہ بن مبارکؒ نے تصنیف کی ہے، پھر محمد بن اسلم طوسی عالم ربانی نے پھر حسن بن سفیان نسائی نے اور امام ابوبکر آجری، ابوبکر اصفہانی، دارقطنی، حاکم، ابونعیم اور ابوعبدالرحمن سلمی وغیرہم متقدمین ومتأخرین کی بڑی تعداد نے تصنیف کی ہے۔ نیز ہر ایک کے اغراض ومقاصد مختلف اور طرز انتخاب بھی جداگانہ ہے، کسی نے اصولِ دین کے مضمون کو بنیاد بنایا، کسی نے فروعی مسائل سے تعرض کیا۔ کسی نے جہاد میں حصہ لیا تو کسی نے زہد اختیار کیا۔ اور کسی نے آداب زندگی کو مطمح نظر رکھا تو کسی نے خطبہ کو موضوع بنایا۔ بعض نے اختصار وایجاز کا طریق اختیار کیا تو بعض نے جوامع الکلم کو ظاہر وروشن کیا۔ بعض نے صحتِ احادیث کا التزام کیا تو بعض نے حَسَن وضعیف روایت کو بھی جگہ دی۔ حتیٰ کہ بعض نے صرف اس کا اہتمام کیا کہ احادیث طعن وقدح سے سالم ومحفوظ ہو، خواہ کسی بھی مضمون سے متعلق ہو۔ پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ بعضوں نے جدت طرازی، غرابت پسندی اور تلون مزاجی کا بھی ثبوت دیا ہے، جس سے پڑھنے والوں کو علمی بالیدگی، ذہنی نشاط اور قلبی انشراح کا ہونا ظاہر ہے، تاکہ سنت پر عمل کا داعیہ پیدا ہو۔

غرض یہ کہ جس نے بھی امت کی نفع رسانی کے لیے چالیس احادیث اُن تک پہنچائیں اور خود بھی دین پر قائم اور عمل پیرا رہا وہ ان شاء اللہ اس فضیلت کا مستحق ہوگا۔ (فیض القدیر، ج:6، اربعین نووی)

صاحب کشف الظنون علامہ مصطفی بن عبداللہ معروف بکاتب چلپی متوفی 1067ھ نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے اپنے زمانہ تک کے مشاہیر علماء میں سے تقریباً 75 علماء کی نوّے (90) سے زائد اربعینات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے یہاں چند کا تعارف ان کی مختلف الجہت موضوع کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

(1) اربعین لابن المبارک المتوفی 181ھ: امام نووی فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق یہ پہلی اربعین ہے، جو تصنیف کی گئی ہے۔

(2) اربعین لابی بکر البیہقی: امام ابوبکر شمس الدین احمد بن حسین الشافعی البیہقی متوفی 458ھ کی تصنیف ہے، اس میں سو احادیثِ اخلاق کو 40/ ابواب پر مرتب فرمایا ہے۔

(3) اربعین الطائیہ: ابوالفتوح محمد بن محمد بن علی الطائی الہمدانی متوفی 555ھ کی ہے، اس میں مصنف نے اپنی مسموعات میں سے چالیس حدیثیں چالیس شیوخ سے املا کرائی ہیں، اس طرح پر کہ ہر حدیث الگ صحابی سے ہے، پھر ہر صحابی کی سوانح حیات ان کے فضائل اور ہر حدیث کے فوائد مشتملہ، الفاظ غریبہ کی تشریح اور پھر چند مستحسن جملے ذکر کیے ہیں، اس کتاب کا نام اربعین فی ارشاد السائرین الی منازل الیقین رکھا، بقول علامہ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب بہت خوب اور عمدہ ہے، جس کا تعلق علوم حدیث، فقہ، ادب اور وعظ سے ہے۔

(4) اربعینات لابن عساکر: ابوالقاسم علی بن حسن الدمشقی الشافعی متوفی 571ھ نے کئی اربعین لکھی ہیں: (1) اربعین طوال، (2) اربعین فی الابدال العوال، (3) اربعین فی الاجتہاد فی اقامۃ الحدود، (4) اربعین بلدانیہ۔ اربعین طوال میں چالیس ایسی طویل حدیثیں جمع کی ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرتی اور صحابہ کرام کے فضائل کو بھی بتلاتی ہیں۔ ساتھ ساتھ ہر حدیث کی صحت وسقم کو بھی ظاہر کیا ہے۔

(5) اربعین بلدانیہ: ابوطاہر احمد بن محمد السّلفی الاصبہانی متوفی 576ھ نے چالیس حدیثیں، چالیس شیوخ سے، چالیس شہروں میں جمع کی ہیں۔ ابن عساکر نے ان کی اتباع میں ایسی بھی ایک اربعین لکھی اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ وہ حدیثیں چالیس صحابہ کرام سے چالیس بابوں میں ذکر کیں۔ چوں کہ ہر حدیث کے مالہ وماعلیہ پر کلام بھی کیا ہے، اس سے ہر باب گویا مستقل کتابچہ بن گیا ہے۔

اربعین بلدانیہ اور بھی بہت سے محدثین نے لکھی ہیں۔

(6) اربعین فی اصول الدین: امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی متوفی 606ھ نے اس کو اپنے فرزند محمد کے لیے تالیف کیا تھا، جسے علم کلام کے چالیس مسائل پر مرتب کیا ہے۔

(7) الاربعین فی اصول الدین: ابوحامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جو تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔

(8)الاربعین: موفق الدین عبداللطیف بن یوسف الحکیم الفیلسوف البغدادی متوفی 629ھ نے طب نبوی پر جمع کی ہے۔

(9)الاربعین: محمد بن احمد الیمنی البطّال متوفی 630ھ نے اس میں صبح وشام کے اذکار ذکر کیے ہیں۔

(10)الاربعین المختارۃ فی فضل الحج والزیارۃ: حافظ جمال الدین الاندلسی متوفی 663ھ کی ہے۔(اس نوع کی ایک اربعین شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے)

(11)اربعین للنووی: ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی الشافعی متوفی 676ھ نے تالیف کی ہے، اس میں امام نووی نے متقدمین علماء کے مقاصد منفردہ کو یکجا کردیا ہے، یعنی ایسی حدیثوں کا انتخاب فرمایا ہے جو دین وشریعت کے اصول وبنیاد ہیں اوراعمال واخلاق کی اَساس اورتقویٰ وپاکیزگی کے لیے مدار ہیں، نیز صحت کا بھی التزام کیا ہے، بلکہ اکثر احادیث صحیحین سے ماخوذ ہیں۔اخیر میں اربعین پر دو کا اضافہ کرکے غالباً ان عدد الاربعین للتکثیر لاللتحدید کی طرف اشارہ کردیا۔

چوں کہ یہ اربعین جامع المقاصد تھی، اس لیے بعد کے علمائے فحول نے اس کی تشریح وتوضیح کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے، علامہ چلپی نے تقریباً 20 شارحین کا ذکر کیا ہے، جن میں ایک علامہ ابن حجر عسقلانی بھی ہیں، جنہوں نے احادیث کی تخریج کی ہے۔اس کی ایک عمدہ شرح علامہ ابن دقیق العید کی بھی ہے، مگر کشف الظنون میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

(12)اربعین لابن الجزری: شمس الدین محمد بن محمد الجزری الشافعیؒ متوفی 838ھ نے اس میں ایسی چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں جو اصح، افصح اوراوجز ہیں۔

(13)اربعینات للسیوطی: علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی متوفی 911ھ نے کئی اربعین تالیف کی ہیں، ایک فضائل جہاد میں، ایک رفع الیدین فی الدعاء میں، ایک امام مالک کی روایت سے، ایک روایت متباینہ میں۔

(14)اربعین عدلیہ: شہاب الدین احمد بن حجر المکی متوفی 973ھ نے اپنی سند سے ایسی چالیس احادیث جمع کی ہیں جو عدل وعادل سے متعلق ہیں۔

(15)الاربعین عشاریات الاسناد: قاضی جمال الدین ابراہیم بن علی قلقشندی الشافعی متوفی 960ھ نے تصنیف کی ہے، اس میں انہوں نے ایسی چالیس روایات املاء کرائی ہیں جو سند کے اعتبار سے عالی ہیں، اگرچہ حَسَن کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں۔

(16)اربعین لابن العربی: محی الدین محمد بن علی متوفی 638ھ نے اسے مکہ میں جمع کیا اس شرط کے ساتھ کہ اس

کی سند اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچتی ہے (یعنی بواسطۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)، پھر اس کے بعد اور چالیس روایتیں اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں، اس طرح کہ اس کی سند بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ کے اللہ تک پہنچتی ہے۔

(17) اربعین طاش کبری زادہ: احمد بن مصطفی الرومی متوفی 968ھ نے اس میں ایسی چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور مزاح ودل بستگی کے صادر ہوئی ہیں۔

(18) اربعین یمانیہ: محمد بن عبدالحمید القرشی کی ہے، جو یمن کے فضائل پر مشتمل ہے۔

(19) اربعین لخویشاوند: ابوسعید احمد بن الطوسی رحمہ اللہ کی ہے، اس میں فقراء اور صالحین کے مناقب میں 104 احادیث بیان کی ہیں۔

(20) اربعین قدسیہ: حسین بن احمد بن محمد التبریزی رحمہ اللہ نے ایسی احادیث کا انتخاب کیا ہے جن کا تعلق اسرار عرفانی اور علوم لدنی سے ہے، پھر صوفیاء کے مذاق کے مطابق اس کی شرح کی ہے اور ساتھ ساتھ چالیس حدیث قدسی مع شرح کے اضافہ کیا ہے، اس کتاب کا نام مفتاح الکنوز ومصباح الرموز ہے۔

(21، 22) الاربعین فی فضائل عثمان رضی اللہ عنہ، الاربعین فی فضائل علی رضی اللہ عنہ: یہ دونوں ابوالخیر رضی الدین القزوینی رحمہ اللہ کی ہیں۔

(23) الاربعین فی فضائل العباس رضی اللہ عنہ: ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمی الجرجانی متوفی 427ھ کی ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1402ھ نے بھی لامع الدراری کے مقدمہ میں کئی اربعینات کا ذکر کیا ہے، منجملہ ان کے یہ ہیں:

(24) اربعین عالیہ: شیخ الاسلام حافظ احمد بن حجر العسقلانی الشافعی متوفی 852ھ کی ہے، اس میں انھوں نے صحیحین میں سے ایسی چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں مسلم کی سند بخاری کی سند سے عالی ہے، اس کے علاوہ اربعین متباینہ اور اربعین نووی کی تخریج وغیرہ بھی ہے۔

(25) الاربعین الالٰہیہ: حافظ ابوسعید خلیل بن کیکلدی متوفی 761ھ نے کئی اربعینات تالیف کی ہیں، ایک یہی جو تین جزوں میں ہے، دوسری الاربعین فی اعمال المتقین 46/ اجزا میں اور الاربعین المععنہ 12/ اجزا میں ہے۔

(26) اربعین: مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی 1176ھ نے ایسی چالیس احادیث کا انتخاب فرمایا ہے جو قلیل المبانی وکثیر المعانی یعنی جوامع الکلم کے قبیل سے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد ماجد مولانا یحییٰ کاندھلوی "مفید الطالبین" کی جگہ اسی اربعین کا درس دیا کرتے تھے (شاہ صاحب کی اس اربعین کا منظوم ترجمہ مولانا ہادی علی لکھنویؒ نے کیا ہے، جو تسخیر کے تاریخی نام سے موسوم ہے۔) یہ اربعین رسالہ "المسلسلات"

میں شامل ہوکر مطبوع ہے۔

مولانا ابوسلمہ شفیع احمدؒ شیخ الحدیث والتفسیر مدرسہ عالیہ کلکتہ متوفی 1406ھ نے اپنے مضمون "ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات" میں اور مضمون کے تکملہ میں محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمیؒ نے مزید چند اربعین کا ذکر کیا ہے اور یہ سب علمائے برصغیر کی خدماتِ علم حدیث کی ایک کڑی ہے۔

(27) اربعین (چہل حدیث): حکیم الامت مولانا اشرف علی التھانوی متوفی 1362ھ نے صرف مسلم شریف کی حدیث معمر عن ہمام بن منبہ عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا ہے، ان تمام احادیث کی سند ایک ہے۔

(28) اربعین عن مرویات نعمان سید المجتہدین: مولانا محمد ادریس نگرامی متوفی 1331ھ نے ایسی چالیس حدیثیں جمع فرمائی ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سید المجتہدین کی مرویات میں سے ہیں۔

امیر المومنین فی الحدیث حضرت ابن المبارکؒ کی اربعین سے لے کر اب تک کے ذخیرہ اربعینات میں سے مشت نمونہ از خروارے صرف چند کا تعارف پیش کیا گیا ہے، استیعاب مقصود نہیں ہے۔

فجزاھم اللہ عن سائر الامۃ خیر الجزاء۔

(بقیہ: عربی زبان اور دوسری زبانوں کے لسانی اثرات)

دوسری زبانوں سے عربی میں آنے والے الفاظ کا عمل محض لفظی ادھار تک محدود نہیں رہا، بلکہ تعریب کے ذریعے ان میں سے بہت سے الفاظ عربی کے صوتی، صرفی اور اسلوبی نظام میں اس طرح جذب ہوگئے کہ وہ عربی زبان کے اپنے الفاظ محسوس ہونے لگے۔ اس لیے عربی میں غیر عربی اثرات کا مطالعہ دراصل عربی کی کمزوری کا مطالعہ نہیں، بلکہ اس کی تاریخی وسعت، قوتِ جذب اور تہذیبی ہمہ گیری کو سمجھنے کا ایک ذریعہ ہے۔

زبانیں انسانی تہذیب کے ساتھ پروان چڑھتی ہیں، ایک دوسرے سے اثر لیتی ہیں اور اپنے اندر نئے تجربات کو جگہ دیتی ہیں۔ عربی زبان نے بھی اپنے طویل تاریخی سفر میں یہی کردار ادا کیا۔ اس پورے عمل کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ عربی نے بیرونی اثرات کو قبول کرتے ہوئے اپنی بنیادی شناخت کو برقرار رکھا۔ اس نے اجنبی الفاظ کو محض جگہ نہیں دی، بلکہ انہیں اپنے لسانی مزاج میں ڈھال کر اپنے ذخیرۂ الفاظ کا حصہ بنالیا۔ یہی وہ قوت ہے جو کسی زبان کو محض قدیم زبان نہیں رہنے دیتی، بلکہ اسے ہر نئے عہد میں زندہ، توانا اور مؤثر بنائے رکھتی ہے۔

صحابۂ واہلِ بیتِ کرام کا مقام

اوران کے ادب کے تقاضے

محمد احمد حافظ

آج ہمارے دینی ماحول کا ایک نہایت افسوس ناک منظر یہ ہے کہ بعض لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیتِ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے تاریخی کتابوں میں منقول ہر بات کو حقیقتِ قطعی سمجھ لیتے ہیں۔ کوئی بے سند روایت مل گئی، کسی مؤرخ نے کوئی واقعہ نقل کر دیا، کسی کتاب میں کوئی حکایت درج نظر آ گئی؛ بس اسے بنیاد بنا کر طعن وتشنیع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

کیا ہر لکھی ہوئی بات سچ ہوتی ہے؟ کیا ہر منقول روایت حجت ہوتی ہے؟ اور کیا کسی قدیم کتاب میں کسی واقعے کا موجود ہونا ہی اس کی صحت کی دلیل ہے؟ ہرگز نہیں! ۔قرآنِ کریم ہمیں خبر کے معاملے میں تحقیق کا اصول سکھاتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ۔

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی سے کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔ (الحجرات:6)

اور فرمایا:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ''جس چیز کا تمہیں علم نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑو۔'' (الإسراء:36)

یہ آیت ہمیں صرف ایک اخلاقی نصیحت نہیں دیتی، بلکہ خبر اور روایت کے معاملے میں ایک بنیادی علمی اصول عطا کرتی ہے کہ جس بات کا علم اور ثبوت نہ ہو، اسے یقین کے ساتھ آگے نہ بڑھایا جائے۔

ہر تاریخی کتاب حدیث کی کتاب نہیں: تاریخ کے اوراق میں صحیح روایات بھی ہیں، ضعیف بھی، متصل اسناد بھی ہیں اور بے سند حکایات بھی، محققانہ نقلیں بھی ہیں اور ایسی روایات بھی جنہیں محض واقعہ بیان کرنے کے لیے نقل کیا گیا ہے۔ اسی لیے کسی کتاب میں کسی روایت کا موجود ہونا اور اس روایت کا صحیح وثابت ہونا ایک ہی بات نہیں۔

محدثین نے اسی لیے اپنی زندگیاں صرف کیں کہ روایت اور افسانے، حق اور باطل، معتبر اور غیر معتبر میں امتیاز کیا جا سکے۔ انہوں نے راویوں کے حالات دیکھے، سند کا اتصال پرکھا، روایت کے طرق جمع کیے، متن کا

جائزہ لیا اور جرح وتعدیل کے اصول قائم کیے۔ لہٰذا اگر کوئی تاریخی روایت ہمارے سامنے آئے تو سوال یہ ہونا چاہیے کہ اس کی سند کیا ہے؟ راوی کون ہیں؟ سند متصل ہے یا منقطع؟ محدثین نے اس روایت کے بارے میں کیا حکم لگایا ہے؟ اس کے دوسرے طُرق کیا ہیں؟ متن دوسری معتبر روایات سے موافق ہے یا متعارض؟ اہلِ علم نے اسے قبول کیا ہے یا اس پر کلام کیا ہے؟

اگر روایت ثابت نہیں تو صاف کہیے: ''یہ روایت ثابت نہیں۔''

اگر سند کمزور ہے تو کہیے: ''یہ سند قابلِ اعتماد نہیں۔''

اگر اہلِ علم کا اختلاف ہے تو کہیے: ''اس مسئلے میں اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں۔''

مگر ایک کمزور روایت کو یقین کی زبان میں بیان کرنا، پھر اسی کی بنیاد پر کسی صحابیؓ یا اہلِ بیتؓ کی تنقیص کرنا؛ یہ تحقیق نہیں؛ یہ تاریخ کے نام پر اپنے جذبات کی تسکین ہے۔

تحقیق کا مطلب پہلے فیصلہ کرنا نہیں ہے: ایک اور خطرناک رویہ یہ ہے کہ انسان پہلے کسی شخصیت کے بارے میں فیصلہ کر لے، پھر اپنے فیصلے کے حق میں روایات تلاش کرے۔ یہ تحقیق نہیں! تحقیق یہ ہے کہ آدمی اپنی پسندیدہ رائے کے خلاف آنے والی دلیل کو بھی دیانت کے ساتھ دیکھے۔ اگر روایت ہمارے موقف کے موافق ہو تو بھی اس کی صحت جانچی جائے، اور اگر ہمارے موقف کے خلاف ہو تو بھی اس کے ساتھ وہی علمی انصاف کیا جائے۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ

''اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو، اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو، خواہ وہ گواہی خود تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔'' (النساء:135)

اور فرمایا:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدہ:8)

''کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

جب عام انسانوں کے بارے میں بھی قرآن انصاف کا حکم دیتا ہے تو صحابۂ کرامؓ اور اہلِ بیتِ رسول ﷺ کے بارے میں تو ہماری زبان کو علم، عدل اور ادب کا اور بھی زیادہ پابند ہونا چاہیے۔

صحابۂ کرامؓ کا مقام: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم محض تاریخ کے کردار نہیں۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشکلات برداشت کیں اور اسلام کی یہ عظیم امانت اگلی نسلوں تک پہنچائی۔

قرآنِ کریم نے مہاجرین و انصار کے اولین اہلِ ایمان کے بارے میں فرمایا: وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

''اور مہاجرین وانصار میں سے سبقت لے جانے والے اوّلین لوگ اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔'' (التوبہ:100)

اور بیعتِ رضوان کے موقع پر فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

''یقیناً اللہ ان مؤمنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔'' (الفتح:18)

یہ قرآن کا اسلوب ہے۔ پھر ہم ان مقدس ہستیوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کس قدر محتاط اور مؤدب ہونے کے پابند ہیں؟! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ

''سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔'' (صحیح البخاری:3651؛ صحیح مسلم:2533)

اور فرمایا: لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي ''میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو وہ ان کے ایک مُد بلکہ نصف مُد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (صحیح البخاری:3673؛ صحیح مسلم:2540)

یہ حدیث ہمیں صحابۂ کرامؓ کے بارے میں زبان کی حفاظت کا واضح سبق دیتی ہے۔

صحابہؓ کے لیے قرآن کا اندازِ دعا: قرآنِ کریم نے بعد میں آنے والے اہلِ ایمان کو صحابۂ کرامؓ کے بارے میں صرف خاموش رہنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ ان کے لیے دعا کا ایک نہایت خوب صورت اسلوب سکھایا:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا

''اور جو لوگ ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے، اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کینہ نہ رکھ۔'' (الحشر:10)

یہ آیت ہمارے لیے بہت بڑا آئینہ ہے۔ہم سے کہا جارہا ہے: ان کے لیے دعا کرو۔اور ساتھ یہ بھی کہ: ''اپنے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کینہ نہ رکھو۔'' تو پھر کیا یہ ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم صدیوں پرانے اختلافات کی بعض غیر ثابت حکایتیں تلاش کر کے دِلوں میں نفرت پیدا کریں اور اپنی زبانوں کو طعن وتشنیع کا عادی بنادیں؟۔

صحابہؓ انسان تھے، مگر ان کا ادب اپنی جگہ قائم ہے یہ بھی علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو معصوم نہ کہا جائے۔ان سے اجتہادی اختلافات بھی ہوئے اور بشری سطح پر بعض معاملات پیش بھی آئے۔لیکن یہاں ایک بنیادی فرق سمجھنا ضروری ہے: کسی تاریخی واقعے کی تحقیق ایک چیز ہے، اور کسی صحابیؓ کی تنقیص دوسری چیز!۔کسی واقعے کی صحت ثابت ہوجائے تو بھی اسے اس کے پورے سیاق وسباق میں سمجھنا ہوگا، تمام متعلقہ روایات کو سامنے رکھنا ہوگا اور اہلِ علم کی تشریحات کو دیکھنا ہوگا۔اور اگر کوئی روایت ثابت ہی نہ ہو تو اسے بنیاد بنا کر کسی صحابیؓ کے کردار پر حکم لگانا علمی انصاف نہیں۔ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے: تحقیق اور تنقیص ایک چیز نہیں۔

اہلِ بیتِ کرام کا ادب: جس طرح صحابۂ کرامؓ کے بارے میں قرآن وسنت نے ادب سکھایا، اسی طرح اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ورعایت بھی دین کا اہم حصہ ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اللہ کی کتاب کی طرف متوجہ کیا اور اپنے اہلِ بیت کے بارے میں بھی خصوصی تاکید فرمائی۔(صحیح مسلم:2408)

حدیثِ کساء میں حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی اہتمام بھی صحیح مسلم میں منقول ہے۔(صحیح مسلم:2424)

لہٰذا ہمیں یہ بات پوری وضاحت سے سمجھنی چاہیے کہ:

اہلِ بیت کی محبت، صحابہ کی تنقیص کا نام نہیں؛ اور صحابہ کی محبت، اہلِ بیت سے بے نیازی کا نام نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ دونوں نسبتیں ہمارے لیے نہایت محترم ہیں۔ایک مسلمان کے دل میں صحابہؓ کا ادب اور اہلِ بیتؓ کی محبت ایک ساتھ جمع ہوسکتی ہے، بلکہ ہونی چاہیے۔

تاریخی اختلافات ہماری دشمنی کا ایندھن نہیں: تاریخ میں واقعات پیش آئے، اختلافات ہوئے، مختلف روایتیں نقل ہوئیں۔بعض واقعات کی تفصیلات میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف بھی ہے۔مگر ہمیں یہ حق کس نے دیا کہ ہم ایک ایسی روایت کو، جس کی صحت بھی واضح نہیں، قطعی حقیقت بنا کر کسی مقدس شخصیت پر طعن کریں؟ اگر کسی واقعے کی سند صحیح ہو تو اسے سمجھنے کے لیے پورا تاریخی پس منظر دیکھنا ہوگا۔

اگر روایت ضعیف ہو تو اس کے ضعف کو بیان کرنا ہوگا۔

اگر روایت موضوع یا ناقابلِ اعتماد ہو تو اسے پھیلانے کے بجائے اس سے اجتناب کرنا ہوگا۔

اور اگر اہلِ علم کا اختلاف ہو تو اختلاف کو اختلاف ہی رہنے دینا ہوگا۔

ہر سوال کا جواب نفرت نہیں ہوتا، اور ہر اختلاف کا انجام طعن نہیں ہونا چاہیے۔

کبھی سب سے زیادہ علمی جواب یہی ہوتا ہے: ''یہ روایت ثابت نہیں؛ لہٰذا ہم اس کی بنیاد پر کسی کے بارے میں حکم نہیں لگاتے۔''

یہ کمزوری نہیں، علمی دیانت اور تقویٰ ہے۔

ہمیں نئی نسل کو کیا سکھانا ہے؟ ہمیں اپنی نئی نسل کو نفرت کے قصے نہیں، تحقیق کا سلیقہ دینا ہے۔ انہیں یہ بتانا ہے کہ: ہر کتاب حدیث کی کتاب نہیں۔ ہر روایت دلیل نہیں۔ ہر منقول بات ثابت شدہ حقیقت نہیں۔ ہر تاریخی حکایت واقعۂ قطعی نہیں۔ انہیں یہ سکھانا ہے کہ خبر سن کر فوراً آگے نہ بڑھیں؛ پہلے تحقیق کریں۔ روایت دیکھیں تو سند پوچھیں۔ اختلاف دیکھیں تو دونوں جانب کا علمی موقف سمجھیں۔ کسی شخصیت کے بارے میں کوئی الزام سنیں تو یہ نہ دیکھیں کہ وہ ہماری پسند کے مطابق ہے یا نہیں؛ یہ دیکھیں کہ وہ ثابت بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر ثابت نہیں تو اسے بیان کرنے میں اللہ سے ڈریں۔

تاریخ پڑھیں، مگر انصاف کے ساتھ: ہم تاریخ پڑھنے سے نہیں روکتے۔ سوال اٹھانے سے بھی نہیں روکتے۔ تحقیق کرنے سے بھی نہیں روکتے۔ بلکہ صحیح تحقیق تو دین کے علمی مزاج کا حصہ ہے۔ لیکن تحقیق کا مطلب یہ نہیں کہ انسان پہلے فیصلہ کرے اور پھر اپنے فیصلے کے حق میں روایتیں تلاش کرتے۔ تحقیق یہ ہے کہ: روایت کی سند دیکھی جائے، راویوں کا اعتبار دیکھا جائے، متن کو پرکھا جائے، دوسری روایات سے تقابل کیا جائے، سیاق و سباق سامنے رکھا جائے، اور اہلِ علم کی آرا کو دیکھا جائے۔ پھر جو ثابت ہوا سے ثابت کہیں، جو ثابت نہ ہوا سے غیر ثابت کہیں، اور جہاں اختلاف ہو وہاں اختلاف کو دیانت کے ساتھ بیان کریں۔

ہماری زبان بھی امانت ہے: قرآنِ کریم نے محض جھوٹ سے نہیں روکا بلکہ ایسی بات کے پیچھے چلنے سے بھی روکا جس کا ہمیں علم نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابۂ کرامؓ کے بارے میں زبان کی حفاظت کی تاکید فرمائی۔ اس لیے کسی بھی تاریخی روایت کو نقل کرتے وقت ہمیں اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے:

اگر یہ بات غلط ہوئی تو؟ اگر یہ روایت بے سند ہوئی تو؟ اگر اس میں راوی نے اضافہ کیا ہو تو؟ اگر ہم نے ایک غیر ثابت حکایت کی بنیاد پر کسی محترم شخصیت کو مجرم بنا دیا تو؟ اور اگر ہم نے یہ بات دوسروں تک پہنچا دی تو اس کا وبال کس کے ذمہ ہوگا؟ یہی احساس انسان کو محتاط بناتا ہے۔

اختلاف ہو، مگر ادب کے ساتھ: ہمیں اپنی نسلوں کو یہ سکھانا ہے کہ علمی اختلاف دشمنی نہیں۔ کسی تاریخی مسئلے میں مختلف رائے ہوسکتی ہے۔ کسی روایت کے بارے میں محدثین کے احکام مختلف ہو سکتے ہیں۔ کسی واقعے کی تعبیر میں اہلِ علم کا اختلاف ہوسکتا ہے۔ لیکن اختلاف کا مطلب یہ نہیں کہ زبان سے ادب رخصت ہوجائے۔ اختلاف کریں، مگر تہذیب کے ساتھ۔ تحقیق کریں، مگر دیانت کے ساتھ۔ روایت نقل کریں، مگر صحت دیکھ کر۔ تنقید کریں، مگر عدل کے ساتھ۔ اور صحابۂ کرامؓ واہلِ بیتِ کرامؓ کا ذکر ہو تو زبان پر محبت، انصاف اور تقویٰ غالب ہونا چاہیے۔

آخری بات: تاریخ کے اختلافات ہمیں ایک دوسرے سے لڑانے کے لیے نہیں، اپنی بصیرت بڑھانے کے لیے ہیں۔ ہمیں تاریخ سے سبق لینا ہے، تاریخ کے نام پر نفرت کے اَلاؤ نہیں بھڑکانے۔ ہمیں روایت سے علم حاصل کرنا ہے، روایت کو تعصب عناد اور بغض کا ہتھیار نہیں بنانا۔ ہمیں نئی نسل کو یہ سکھانا ہے کہ دین جذبات کا نام نہیں؛ علم، تحقیق، انصاف اور ادب بھی دین ہی کا حصہ ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جن ہستیوں کے ذریعے دین کی یہ عظیم امانت ہم تک پہنچی، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی زبان وقلم کو بے قابو نہ ہونے دیں۔

صحابہؓ واہلِ بیتؓ سے محبت کریں، قرآن وسنت کو میزان بنائیں، اور تاریخ کو تعصب کے بجائے تحقیق کی نگاہ سے پڑھیں۔ کیونکہ: جو شخص صحابہؓ واہلِ بیتؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے انصاف کھو دیتا ہے، وہ تاریخ نہیں پڑھتا؛ وہ اپنے تعصب کو تاریخ کی زبان دے رہا ہوتا ہے۔ اور جو شخص کسی روایت کو نقل کرنے سے پہلے اس کی صحت پوچھتا ہے، اختلاف میں بھی زبان کو ادب کا پابند رکھتا ہے، ثابت وغیر ثابت کے درمیان فرق کرتا ہے وہ صرف تاریخ نہیں پڑھ رہا ہوتا، بلکہ علم اور تقویٰ کا حق ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اور یہ دیکھیے امام غزالی کیا فرماتے ہیں:

''مشاجراتِ صحابہؓ کے بارے میں ایسی روایات کا بیان کرنا حرام ہے جن سے صحابہؓ پر اعتراض وتنقید کا دروازہ کھلتا ہو اور عوام میں ان کے بارے میں برے خیالات پیدا ہونے کا احتمال ہو۔'' (بحوالہ: الصواعق المحرقۃ ص ۲۲۳)

اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ''ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کا احترام اور ان کی تعظیم کریں، ان پر اعتراض وتنقید کو حرام سمجھیں اور ان کے باہمی مشاجرات کے بارے میں سکوت اختیار کریں، کیونکہ یہ سارے مشاجرات اجتہاد کی بنیاد پر تھے۔ یہ اہلِ حق اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے، جس شخص نے اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یا تو ضال اور مبتدع ہے، اور یا زیادہ غلو کرنے کی وجہ سے کافر ہے۔'' (رسائل ابن عابدین ص ۳۵۷)

اللہ تعالیٰ ہمیں سوئے فہم سے بچائے، آمین!.

عربی زبان اور دوسری زبانوں کے لسانی اثرات

ایک تاریخی وعلمی مطالعہ

مولانا شفیق الرحمٰن یوسفزئی

زبان کسی قوم کے تہذیبی شعور، فکری ارتقا اور تاریخی تجربات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ قومیں جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں، باہمی تجارت کرتی ہیں، تہذیبی روابط قائم کرتی ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ فکری و مذہبی تعلق استوار کرتی ہیں تو ان کے درمیان صرف افکار وتہذیب ہی کا تبادلہ نہیں ہوتا، بلکہ زبانیں بھی ایک دوسرے سے متاثر ہوتی ہیں۔

الفاظ، تراکیب اور اسالیب ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ بعض الفاظ اس طرح نئی زبان کا حصہ بن جاتے ہیں کہ ان کی اجنبیت باقی نہیں رہتی۔ عربی زبان کی تاریخ بھی اس عمومی لسانی حقیقت سے مستثنیٰ نہیں۔ قدیم زمانے ہی سے عربوں کے مختلف اقوام وملل، خصوصاً فارس، روم، حبشہ، سریان اور نبط وغیرہ سے تجارتی، تہذیبی اور جغرافیائی روابط رہے ہیں۔ ان روابط کے نتیجے میں عربی زبان نے بھی بعض الفاظ اور تعبیرات کو دوسری زبانوں سے قبول کیا۔ تاہم یہ اثر پذیری کسی کمزور زبان کی بے بسی کے طور پر نہیں، بلکہ ایک زندہ اور متحرک زبان کی فطری وسعت کے طور پر سامنے آئی۔

عربی زبان کی خصوصیت یہ رہی کہ اس نے بیرونی الفاظ کو محض اپنی موجودہ شکل میں قبول نہیں کیا، بلکہ انہیں اپنے صوتی، صرفی اور لسانی مزاج کے مطابق ڈھال لیا۔ یہی عمل اصطلاحِ لسان میں تعریب کہلاتا ہے۔

عربی اور دوسری زبانوں کے باہمی تعلق کی تاریخی بنیاد:

بعض اہلِ قلم نے عربی زبان میں غیر عربی اثرات کے وجود کو تسلیم کرنے سے گریز کیا ہے، لیکن تاریخی شواہد اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ عرب قدیم زمانے ہی سے مختلف غیر عرب اقوام کے ساتھ اختلاط رکھتے تھے۔ یہ تعلق محض سیاسی یا جغرافیائی نوعیت کا نہیں تھا، بلکہ تجارت اور سفر کے ذریعے بھی عربوں کے روابط دور دور تک قائم تھے۔ قریش کے تجارتی قافلے موسمِ سرما میں یمن اور موسمِ گرما میں شام کا سفر کرتے تھے۔ ان سفری روابط نے عربوں کو مختلف تہذیبوں اور زبانوں سے قریب کیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے مسلسل اختلاط کے نتیجے میں زبان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ بعض ایسے الفاظ جن کی عربوں کو ضرورت تھی اور جن کے لیے ان کے پاس کوئی موزوں متبادل نہ تھا، دوسری

زبانوں سے عربی میں داخل ہوئے۔ یہ لسانی تعامل اس بات کی دلیل ہے کہ زبان کوئی جامد اور بند نظام نہیں، بلکہ انسانی زندگی کے ساتھ مسلسل حرکت میں رہنے والا ایک زندہ مظہر ہے۔

اسلام سے قبل عربی پر غیر عربی اثرات:

اسلام سے پہلے عرب مختلف اقوام کے ساتھ رابطے میں تھے۔ فارس، حبشہ، روم، سریان، نبط اور دیگر اقوام سے ان کے تجارتی، جغرافیائی اور ثقافتی روابط قائم تھے۔ اس میل جول کے نتیجے میں بعض غیر عربی الفاظ عربی میں داخل ہوئے۔ ان الفاظ کو عربوں نے اپنی زبان کے صوتی اور لسانی مزاج کے مطابق ادا کیا۔ پھر شعرا اور ادبا نے انہیں اپنی شاعری اور نثر میں استعمال کیا۔ یوں جو لفظ کبھی اجنبی تھا، رفتہ رفتہ عربی کے عام ذخیرۂ الفاظ کا حصہ بن گیا۔

استاد حسناء القنعیر کے مطابق عرب جاہلیت ہی سے اپنے گرد و پیش کی اقوام کے ساتھ رابطے میں تھے اور اس رابطے کے نتیجے میں الفاظ کا باہمی تبادلہ ایک فطری امر تھا۔ ان کے نزدیک یہ ممکن نہیں کہ کوئی زبان اپنے گرد موجود دوسری زبانوں کے اثرات سے مکمل طور پر محفوظ رہے۔ عربوں نے دوسری زبانوں سے بعض ایسے الفاظ اختیار کیے جن کی انہیں ضرورت تھی، پھر انہیں اپنی زبان کے مزاج کے مطابق ڈھال لیا، یہاں تک کہ ان کے اصل ماخذ بھی رفتہ رفتہ فراموش ہو گئے۔ یہی وہ مرحلہ تھا جہاں غیر عربی لفظ صرف مستعار لفظ نہیں رہا، بلکہ عربی لسانی نظام میں داخل ہو کر ایک نئی شناخت حاصل کرنے لگا۔

اسلام کے بعد لسانی تعامل میں وسعت:

اسلام کے ظہور کے بعد عربی زبان کا دائرۂ اثر غیر معمولی طور پر وسیع ہو گیا۔ اسلامی فتوحات اور دعوتِ اسلام کے پھیلاؤ کے نتیجے میں عربوں کا تعلق مختلف اقوام سے قائم ہوا اور بہت سی قومیں اسلام کے دائرے میں داخل ہوئیں۔ اس وسیع تر تہذیبی اختلاط نے عربی اور دوسری زبانوں کے درمیان لسانی رابطوں کو بھی بڑھا دیا۔ مختلف علاقوں کے لوگ جب عربی بولنے لگے تو ان کی مادری زبانوں کے بعض اثرات بھی عربی کے استعمال میں ظاہر ہوئے۔ دوسری طرف عربی نے بھی ان اقوام کی زبانوں سے بعض الفاظ قبول کیے۔

استاد کرملي نے عربی اور عجمی اقوام کے اس اختلاط کو ایک تاریخی حقیقت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ عرب قدیم زمانے ہی سے عجمیوں کے ساتھ اختلاط رکھتے تھے، لیکن اسلام کے پھیلنے کے بعد یہ میل جول بہت زیادہ بڑھ گیا اور عربی زبان میں دخیل الفاظ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔

تاہم ان کے بیان میں ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ جب طباعت اور اشاعت کو فروغ حاصل ہوا تو فصیح زبان کے

تحفظ اور اس کی ترویج کے امکانات بھی بڑھ گئے۔ یوں زبان میں پیدا ہونے والی مختلف صورتوں کے درمیان ایک طرح کا توازن قائم ہونے لگا۔

تعریب: ایک اہم لسانی عمل:

غیر عربی الفاظ کے عربی میں داخل ہونے کے عمل کو تعریب کہا جاتا ہے۔ تعریب سے مراد کسی غیر عربی لفظ کو عربی زبان میں اس طرح شامل کرنا ہے کہ وہ عربی کے صوتی، صرفی اور لسانی قواعد سے ہم آہنگ ہو جائے۔ محض کسی غیر عربی لفظ کا عربی بولنے والوں کی زبان پر جاری ہو جانا تعریب کی مکمل تعریف نہیں، بلکہ اس میں یہ پہلو بھی شامل ہے کہ وہ لفظ عربی کے عمومی لسانی نظام سے ہم آہنگ ہو جائے۔

قدیم ماہرینِ لغت نے اس موضوع پر خاص توجہ دی۔ امام جوہری کے ہاں تعریب کے مفہوم میں عربوں کا کسی غیر عربی لفظ کو اپنی زبان کے طریقۂ ادائیگی کے مطابق ادا کرنا شامل ہے۔ ابن دُرید نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عربوں نے متعدد غیر عربی الفاظ اپنی زبان میں داخل کیے اور وقت گزرنے کے ساتھ وہ عربی کے مستقل ذخیرۂ الفاظ کا حصہ بن گئے۔ اس اعتبار سے تعریب دراصل زبان کی قوتِ جذب کی علامت ہے۔

ایک زندہ زبان بیرونی عناصر کو اپنے اندر جذب کرتی ہے، انہیں اپنے مزاج کے مطابق ڈھالتی ہے اور یوں اپنے دائرۂ اظہار کو وسیع کرتی ہے۔

قرآنِ کریم اور معرّب الفاظ کا مسئلہ:

عربی زبان میں غیر عربی الفاظ کے وجود کا مسئلہ قرآنِ کریم کے حوالے سے بھی اہلِ علم کے درمیان زیرِ بحث رہا ہے۔ بعض صحابہ اور تابعین و مفسرین سے ایسے اقوال منقول ہیں جن کے مطابق قرآنِ کریم میں بعض ایسے الفاظ موجود ہیں جن کی اصل عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان سے تعلق رکھتی ہے اور جو عربی میں داخل ہو کر معرّب ہو گئے۔ مثلاً مِشکاۃ اور سِجِّیل جیسے الفاظ کے بارے میں بعض اہلِ علم نے غیر عربی اصل کی بحث کی ہے۔

تاہم اس مسئلے میں علماء کے درمیان اختلاف موجود ہے۔ بعض اہلِ علم قرآنِ کریم میں کسی غیر عربی لفظ کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کے نزدیک قرآن میں موجود تمام الفاظ عربی ہی ہیں۔ اس اختلاف کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ کسی لفظ کی اصل کے بارے میں اختلاف اور اس کے عربی زبان میں رائج ہونے کی حقیقت دو الگ امور ہیں۔ اگر کوئی لفظ دوسری زبان سے عربی میں آیا اور عربی کے قواعد اور صوتی مزاج کے مطابق ڈھل گیا تو وہ عربی کے استعمال میں معرّب حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔

عربی زبان کی قوتِ جذب:

تعریب کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ عربی زبان نے بیرونی الفاظ کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے اپنی بنیادی ساخت کو برقرار رکھا۔ کسی دوسری زبان سے آنے والا لفظ جب عربی کے صرفی اور صوتی نظام میں داخل ہوتا ہے تو وہ محض اجنبی لفظ نہیں رہتا، بلکہ عربی زبان کے مزاج سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ایسے الفاظ جو تاریخی اعتبار سے کسی دوسری زبان سے عربی میں آئے، آج عربی کے عام ذخیرۂ الفاظ کا حصہ سمجھے جاتے ہیں اور ان کے غیر عربی ماخذ سے عام بولنے والا واقف بھی نہیں ہوتا۔ اس عمل کو زبان کی کمزوری کے بجائے اس کی وسعت اور قوتِ جذب کے طور پر دیکھنا زیادہ مناسب ہے؛ کیونکہ ایک ایسی زبان جو مختلف تہذیبی اور علمی تجربات کو اپنے اندر سمو سکتی ہے، وہ اظہار کے نئے امکانات بھی پیدا کرتی ہے۔

تعریب کی چند مثالیں:

عربی کے ذخیرۂ الفاظ میں ایسے متعدد الفاظ بیان کیے جاتے ہیں جنہیں اہلِ لغت نے دوسری زبانوں سے منسوب کیا ہے۔ مثلاً بُستان کو فارسی الاصل قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جُمّان کے بارے میں بھی فارسی اصل کا قول ملتا ہے۔ بعض اہلِ لغت نے طُور اور صراط جیسے الفاظ کے ماخذ کے حوالے سے بھی دوسری زبانوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ کسی لفظ کے ماخذ کے بارے میں اہلِ لغت کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہر ایسے لفظ کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنا مناسب نہیں جس کے غیر عربی ہونے کا محض ایک قول منقول ہو۔ علمی تحقیق کا تقاضا یہی ہے کہ ہر لفظ کے اشتقاق، تاریخی استعمال اور قدیم لغوی شواہد کو الگ الگ دیکھا جائے۔ لسانی اختلاط اور زبان کی بقا زبانوں کا باہمی اختلاط انسانی معاشرے کی ایک فطری حقیقت ہے۔

دنیا کی بڑی زبانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر زندہ زبان نے اپنے تاریخی سفر میں دوسری زبانوں سے الفاظ اخذ کیے ہیں۔ کسی زبان کے زندہ رہنے کا انحصار اس بات پر نہیں کہ وہ ہر بیرونی اثر سے مکمل طور پر محفوظ رہے، بلکہ اس بات پر ہے کہ وہ نئے عناصر کو کس حد تک اپنے مزاج کے مطابق قبول اور منظم کر سکتی ہے۔ عربی زبان نے بھی یہی خصوصیت دکھائی۔ اس نے مختلف تہذیبوں اور زبانوں سے تعامل کیا، نئے الفاظ قبول کیے، انہیں اپنے نظام میں ڈھالا اور پھر انہیں اپنی علمی، ادبی اور تہذیبی روایت کا حصہ بنا لیا۔

عربی زبان کی تاریخ کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ وہ ایک زندہ، متحرک اور وسیع دامن رکھنے والی زبان ہے۔ قدیم زمانے سے مختلف اقوام کے ساتھ عربوں کے روابط اور اسلام کے بعد عربی زبان کے غیر معمولی عالمی پھیلاؤ نے اس کے لسانی سفر کو مزید وسیع کیا۔ (باقی صفحہ نمبر: ۱۵)

سائنس اور کائنات کی تخلیق میں غور وفکر

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

آجکل عمومی طور پر یہ تاثر عام ہے کہ سائنس ہمیں ترغیب دیتی ہے کہ کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کیا جائے۔ ہر خاص وعام کی زبان سائنس کی تعریف وتوصیف میں رَطْبُ اللِّسان رہتی ہے۔ عام آدمی جب اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہے تو سائنسی ایجادات ان کے دلوں پر اثر چھوڑ جاتی ہیں اور سائنس اور سائنسی ایجادات کی عظمت و بڑائی دل میں گھر کرنے لگتی ہے۔ بچوں اور نوجوانوں کو اسکول، کالجز اور یونیورسٹیوں میں سائنس اور سائنسی ایجادات سے متعلق ہی سُننے کو ملتا ہے۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے عام استعمال سے یہ صورتحال مزید گھمبیر ہوگئی ہے اور بچے بچے کی زبان پر سائنس کی عظمت وفوائد آگئے ہیں۔

مسلمان معاشروں اور بالخصوص برصغیر پاک وہند میں بعض لوگ اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھ چکے ہیں اور سائنس سے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سائنس ہی ہے کہ جو ہمیں کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کی دعوت دیتی ہے اور مسلمانوں کی اصل کامیابی سائنس وٹیکنالوجی کے حصول میں ہے۔ مَزِید بَرآں وہ اپنی اس توجیہ کے حق میں قرآنِ پاک سے دلائل بھی پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں ہی تو دراصل کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کا حکم دیا گیا ہے جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہم بھی سائنسی ایجادات کریں اور پھر مسلمانوں کو نہایت شدت سے ترغیب دیتے ہیں کہ وہ بھی سائنس وٹیکنالوجی میں مغربی اقوام کی طرح ترقی کریں۔ الغرض ان جیسے حضرات کا مُطَمحِ نَظَر یہ ہوتا ہے کہ ہر خاص وعام سائنس وٹیکنالوجی کے حصول میں اپنی زندگیاں کھپا دیں اور ایسے کرنے کا حکم خود ہمارے دین میں دیا گیا ہے۔

راقم بھی چونکہ پاکستانی معاشرے میں رہا ہے، یہیں سے بنیادی اسکول کی تعلیم سے لے کر کمپیوٹر سسٹم انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی تو راقم کے کانوں میں مختلف ذرائع سے یہ باتیں پڑتی رہیں کہ سائنس وٹیکنالوجی کا حصول ہی مقصد حیات ہے نعوذ باللہ اور مسلمان ممالک کے عروج وزوال کا تعلق سائنس وٹیکنالوجی کے حصول اور اس میں ترقی سے وابسطہ ہے۔ راقم پھر جب فرانس میں پی ایچ ڈی کرنے گیا تو اپنے سائنسی شعبے میں مزید گہرائی سے مہارت حاصل کی البتہ یہ ضرور کوشش کی کہ کسی طریقے سے علمائے کرام کے ساتھ جڑا جائے۔ اللہ پاک حضرات علمائے کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ جنہوں نے راقم کی زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی فرمائی اور غلط نظریات دل میں پیدا ہونے

سے بچائے رکھا۔ یہ انہی علمائے کرام کی توجہ، محنت اور دعاؤں کا اثر تھا کہ راقم غلط نظریات سے بچتا چلا گیا اور اللہ سے دعا ہے کہ راقم کا خاتمہ بھی ایمان پر ہو اور ایسی حالت میں ہو کہ اللہ پاک راضی ہو، آمین۔

ہمارے معاشرے میں یہ کوئی انہونی بات نہیں کہ بعض لوگ سائنس اور ٹیکنالوجی سے حد سے زیادہ مَرْعُوب ہیں۔ یہ ساری کارگزاری پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ قارئین کے سامنے یہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے کہ کس طریقے سے سائنس وٹیکنالوجی اور سائنسی ایجادات کی بڑائی ہمارے رگ و پے کا حصہ بن چکی ہے اور کس طریقے سے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اس بارے میں صحیح نظریہ قائم کیا جائے۔ اول چیز جس کی جانب اس مضمون میں راقم نے توجہ کی ہے وہ یہ کہ بالکل وضاحت کے ساتھ یہ بیان کیا جائے کہ قرآنِ پاک میں کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب ومقصد علمائے کرام نے کیا بیان فرمایا ہے، اور اس کے برعکس آجکل کے جدید سائنس سے متاثرہ لوگوں نے ان آیات کو کیسے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں سورۃ آل عمران میں اپنے خاص بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی صفات بیان کی ہیں کہ وہ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کرتے ہیں۔ چناچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں اُن عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں، (اور انہیں دیکھ کر بول اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آپ (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں۔ پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے (سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۹۰-۱۹۱، آسان ترجمہ قرآن از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)"۔

حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ مذکورہ بالا آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں عقلمند سمجھا جاتا ہے ان لوگوں نے اپنے طور پر سائنس کی معلومات میں اور دیگر امور کی معرفت حاصل کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ لیکن ان معلومات کے ذریعہ انہوں نے خالق کائنات جل مجدہ کو نہیں پہچانا۔ ان میں بہت سے تو خالق جل مجدہ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور جو لوگ اسے موجود مانتے ہیں، وہ بھی اس کے صفاتِ جلال و جمال کو نہیں جانتے۔ اور اس کی تکوینی حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اس کے مظاہر قدرت سے اس کی معرفت حاصل کرنے کی بجائے مادہ ہی کو یا طبیعت ہی کو سب کچھ مانتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں کہ طبیعت خود ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گئی یہ ان لوگوں کی اپنے خالق کی معرفت سے محرومی ہے، پھر انہیں یہ

احساس نہیں کہ ہم کیوں پیدا ہوئے اور اس دنیا کے بعد ہمارا کیا بنے گا، اور یہ کہ ہمارے خالق نے زندگی گزارنے کا جو نظام بھیجا ہے وہ ہم پر قبول کرنا فرض ہے، ان کے علوم اور تجربات سب اسی دنیا تک ہیں۔ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ (انوار البیان فی کشف اسرار القرآن از حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ، جلد ۲، صفحہ ۱۷۰) (ترجمہ: وہ دُنیوی زندگی کے صرف ظاہری رُخ کو جانتے ہیں، اور آخرت کے بارے میں اُن کا حال یہ ہے کہ وہ اُس سے بالکل غافل ہیں (سورۃ الروم، آیت نمبر ۶، آسان ترجمہ قرآن از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)"۔

سورۃ آل عمران کی ان آیات کے فوائد تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الٰہیہ میں غور و فکر وہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں بڑا محقق اور سائنسدان کہا کرے، مگر قرآن کی زبان میں وہ اولوالالباب نہیں ہو سکتے، بلکہ پرلے درجہ کے جاہل و احمق ہیں" (حوالہ: آسان بیان القرآن مع تفسیر عثمانی، سورۃ آل عمران، تسہیل و ترتیب: حضرت مولانا عمر انور بدخشانی، جلد اول، صفحہ ۴۲۷)۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ عقل والوں کی پہلی نشانی یہ ہے کہ عقل والے صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور ہر حال میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ:

"آج کی دنیا نے جس چیز کو عقل اور عقلمندی کا معیار سمجھ لیا ہے، وہ محض ایک دھوکا ہے، کسی نے مال و دولت سمیٹ لینے کو عقلمندی قرار دیدیا، کسی نے مشینوں کے کل پرزے بنانے یا برق اور بھاپ کو اصلی پاور سمجھ لینے کا نام عقلمندی رکھ دیا لیکن عقل سلیم کی بات وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسلؑ لے کر آئے کہ علم و حکمت کے ذریعہ سلسلہ اسباب میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہوئے درمیانی مراحل کو نظر انداز کیا، خام مواد سے مشینوں تک اور مشینوں سے برق اور بھاپ کی قوت تک تمہیں سائنس نے پہونچایا، عقل کا کام یہ ہے کہ ایک قدم اور آگے بڑھوتا کہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ اصل کام نہ پانی، مٹی یا لوہے، تانبے کا ہے، نہ مشین کا، نہ اس کے ذریعہ پیدا کی ہوئی اسٹیم کا، بلکہ کام اس کا ہے جس نے آگ اور پانی اور ہوا پیدا کی، جس کے ذریعہ یہ برق و بھاپ تمہارے ہاتھ آئی"۔

"اس کو ایک عامیانہ محسوس مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک جنگل کا رہنے والا جاہل انسان جب کسی ریلوے اسٹیشن پر

پہنچے، اور یہ دیکھے کہ ریل جیسی عظیم الشان سواری ایک سرخ جھنڈی کے دکھانے سے رک جاتی ہے، اور سبز کے دکھانے سے چلنے لگتی ہے تو اگر وہ یہ کہے کہ یہ سرخ اور سبز جھنڈی بڑے پاور اور طاقت کی مالک ہے کہ اتنی طاقت والے انجن کو روک دیتی اور چلا دیتی ہے، تو علم وعقل والے اس کو احمق کہیں گے، اور بتلائیں گے کہ طاقت ان جھنڈیوں میں نہیں بلکہ اس شخص کے پاس ہے جو انجن میں بیٹھا ہوا ان جھنڈیوں کو دیکھ کر روکے یا چلانے کا کام کرتا ہے، لیکن جس کی عقل کچھ اس سے زیادہ ہے وہ کہے گا کہ انجن ڈرائیور کو پاور یا طاقت کا مالک سمجھنا بھی غلطی ہے، کیونکہ درحقیقت اس کی طاقت کو اس میں کوئی دخل نہیں، وہ ایک قدم اور بڑھ کر اس طاقت کو انجن کے کل پرزوں کی طرف منسوب کرے گا، لیکن ایک فلاسفر یا سائنس دان اس کو بھی یہ کہہ کر بیوقوف بتلائے گا کہ بے حس کل پرزوں میں کیا رکھا ہے، اصل طاقت اس بھاپ اور اسٹیم کی ہے، جو انجن کے اندر آگ اور پانی کے ذریعہ پیدا کی گئی ہے، لیکن حکمت وفلسفہ یہاں آکر تھک جاتا ہے، انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں کہ ظالم! جس طرح جھنڈیوں کو یا ڈرائیور کو یا انجن کے کل پرزوں کو طاقت اور پاور کا مالک سمجھ بیٹھنا اس جاہل کی غلطی تھی، اسی طرح بھاپ اور اسٹیم کو طاقت کا مالک سمجھ لینا بھی تیری فلسفیانہ غلطی ہے، ایک قدم اور آگے بڑھ، تاکہ تجھے اس الجھی ہوئی ڈور کا سرا ہاتھ آئے، اور سلسلہ اسباب کی آخری کڑی تک تیری رسائی ہوجائے کہ دراصل ان ساری طاقتوں اور پاوروں کا مالک وہ ہے جس نے آگ اور پانی پیدا کئے اور یہ اسٹیم تیار ہوئی۔ اس تفصیل سے آپ نے معلوم کرلیا کہ عقل والے کہلانے کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پہچانیں اور ہر وقت ہر حالت میں اس کو یاد کریں"۔

پھر عقل والوں کی دوسری نشانی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آیت مذکورہ میں عقل والوں کی دوسری علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ آسمان وزمین کی تخلیق و پیدائش میں تفکر کرتے ہیں۔ یہاں غور طلب یہ امر ہے کہ اس تفکر سے کیا مراد ہے اور اس کا کیا درجہ ہے؟ فکر اور تفکر کے لفظی معنی غور کرنے اور کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرنے کے ہیں، اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر عبادت ہے اسی طرح فکر بھی ایک عبادت ہے، فرق یہ ہے کہ ذکر اللہ جل شانہ کی ذات وصفات کا مطلوب ہے اور فکر وتفکر اس کی مخلوقات میں مقصود ہے، کیونکہ ذات وصفات الٰہیہ کی حقیقت کا ادراک انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اس میں غور وفکر اور تدبر وتفکر بجز حیرانی کے کوئی نتیجہ نہیں رکھتا"۔

"بلکہ بعض اوقات حق جل شانہ کی ذات وصفات میں زیادہ غور وفکر انسان کی ناقص عقل کے لئے گمراہی کا سبب بن جاتا ہے، اس لئے اکابر اہل معرفت کی وصیت ہے کہ تفکروا فی آیت اللہ ولا تفکروا فی اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نشانیوں میں غور وفکر کرو مگر خود اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں غور وفکر نہ کرو، کہ وہ تمہاری رسائی سے بالاتر ہے،

آفتاب کی روشنی میں ہر چیز کو دیکھا جاسکتا ہے، مگر خود آفتاب کو کوئی دیکھنا چاہے تو آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں"۔

"البتہ غور وفکر اور عقل کی دوڑ دھوپ کا میدان مخلوقات الٰہیہ ہیں، جن میں صحیح غور وفکر کا لازمی نتیجہ ان کے خالق جل شانہ کی معرفت ہے، اتنا عظیم الشان وسیع وعریض آسمان اور اس میں آفتاب ومہتاب اور دوسرے ستارے جن میں کچھ ثوابت ہیں جو دیکھنے والوں کو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کوئی بہت آہستہ حرکت ہو تو اس کا علم پیدا کرنے والے ہی کو ہے اور انہی ستاروں میں کچھ سیارات ہیں، جن کے دورے نظام شمسی وقمری وغیرہ کے انداز میں نہایت محکم ومضبوط قانون کے تحت مقرر اور متعین ہیں، نہ ایک سیکنڈ ادھر ہوتے ہیں نہ ان کی مشینری کا کوئی پرزہ گھستا ہے، نہ ٹوٹتا ہے، نہ کبھی ان کو کسی ورکشاپ میں بھیجنے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ اس کی مشینری کبھی رنگ وروغن چاہتی ہے، ہزاروں سال سے ان کے مسلسل دورے اسی نظام محکم اور معین اوقات کے ساتھ چل رہے ہیں، اسی طرح زمین کا پورا کرّہ، اس کے دریا اور پہاڑ، اور دونوں میں طرح طرح کی مخلوقات درخت اور جانور اور زمین کی تہہ میں چھپی ہوئی معدنیات، اور زمین آسمان کے درمیان چلنے والی ہوا، اور اس میں پیدا ہونے اور برسنے والی برق وباراں اور اس کے مخصوص نظام یہ سب کے سب سوچنے، سمجھنے والے کے لئے کسی ایسی ہستی کا پتہ دیتے ہیں، جو علم وحکمت اور قوت وقدرت میں سب سے بالاتر ہے، اور اسی کا نام معرفت ہے، تو یہ غور وفکر معرفت الٰہیہ کا سبب ہونے کی وجہ سے بہت بڑی عبادت ہے، اس لئے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: یعنی ایک گھڑی آیات قدرت میں غور کرنا پوری رات کی عبادت سے بہتر اور زیادہ مفید ہے"۔

"اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس غور وفکر کو افضل عبادت فرمایا ہے (ابن کثیر)۔ حسن بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، سب یہ فرماتے تھے کہ ایمان کا نور اور روشنی تفکر ہے۔ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ نے فرمایا کہ میں گھر سے نکلتا ہوں تو جس چیز پر میری نگاہ پڑتی ہے میں کھلی آنکھوں دیکھتا ہوں کہ اس میں میرے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اور اس کے وجود میں میرے لئے عبرت حاصل کرنے کا سامان موجود ہے (ابن کثیر)۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ کا ارشاد ہے کہ غور وفکر ایک نور ہے جو تیرے دل میں داخل ہورہا ہے۔ حضرت وہب بن منبہؒ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کثرت سے غور وفکر کرے گا تو حقیقت سمجھ لے گا، اور جو سمجھ لے گا اس کو علم صحیح حاصل ہوجائے گا، اور جس کو علم صحیح حاصل ہوگیا وہ ضرور عمل بھی کرے گا (ابن کثیر)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بزرگ کا گذر ایک عابد زاہد کے پاس ہوا، جو ایسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے ایک طرف قبرستان تھا اور دوسری طرف گھروں کا کوڑا کباڑ وغیرہ تھا، گذرنے والے بزرگ نے کہا کہ دنیا کے دو خزانے تمہارے سامنے ہیں ایک انسانوں کا خزانہ جس کو قبرستان کہتے ہیں، دوسرا مال و

دولت کا خزانہ جو فضلات اور گندگی کی صورت میں ہے، یہ دونوں خزانے عبرت کے لئے کافی ہیں (ابن کثیر)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے قلب کی اصلاح ونگرانی کے لئے شہر سے باہر کسی ویرانہ کی طرف نکل جاتے تھے، اور وہاں پر پہنچ کر کہتے کہ تیرے بسنے والے کہاں گئے؟ پھر خود ہی جواب دیتے" یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے" (ابن کثیر)۔ اس طرح تفکر کے ذریعہ آخرت کی یاد اپنے قلب میں مستحضر کرتے تھے۔ حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں تفکر کرتے تو اس کی معصیت و نافرمانی نہ کر سکتے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے ضعیف الخلقت آدمی! تو جہاں بھی ہو خدا سے ڈر، اور دنیا میں ایک مہمان کی طرح بسر کر، اور مساجد کو اپنا گھر بنالے، اور اپنی آنکھوں کو خوف خدا سے رونے کا اور جسم کو صبر کا اور قلب کو تفکر کا عادی بنادے، اور کل کے رزق کی فکر نہ کر"۔

" آیت مذکورہ میں اسی فکر وتفکر کو عقلمند انسان کا اعلیٰ وصف کر کے بیان فرمایا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر کر کے حق تعالیٰ کی معرفت اور دنیا کی ناپائیداری کا علم حضوری حاصل کر لینا افضل عبادت اور نور ایمان ہے، اسی طرح آیات الٰہیہ کو دیکھنے اور برتنے کے باوجود خود ان مخلوقات کی ظاہری ٹیپ ٹاپ میں الجھ کر رہ جانا اور ان کے ذریعہ مالک حقیقی کی معرفت حاصل نہ کرنا سخت نادانی اور ناسمجھ بچوں کی سی حرکت ہے"۔

"بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص کائنات عالم کو عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تو بقدر اس کی غفلت کے اس کے قلب کی بصیرت مٹ جاتی ہے۔ آج کی سائنٹفک اور حیرت انگیز ایجادات اور ان میں الجھ کر رہ جانے والے موجدین کی خدا تعالیٰ اور اپنے انجام کار سے غفلت حکماء کے اس مقولہ کی کھلی شہادت ہے کہ سائنس کی ترقیات جوں جوں اللہ تعالیٰ کی کمال صنعت کے رازوں کو کھولتی جاتی ہیں، اتنا ہی وہ خدا شناسی اور حقیقت آگاہی سے اندھے ہوتے جاتے ہیں۔ بقول اکبر مرحوم ؎

بھول کر بیٹھا ہے یورپ آسمانی باپ کو
بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو

قرآن کریم نے ایسے ہی بے بصیرت لکھے پڑھے جاہلوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے" یعنی آسمان اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ منہ موڑ کر گذر جاتے ہیں ان کی حقیقت وصنعت اور ان کے صانع کی طرف توجہ نہیں دیتے"۔

" خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ومصنوعات میں غور وفکر کر کے اس کی عظمت وقدرت کا استحضار ایک اعلیٰ عبادت ہے، ان سے کوئی عبرت حاصل نہ کرنا سخت نادانی ہے، آیت مذکورہ کے آخری جملے نے آیات قدرت

میں غور وفکر کا نتیجہ بتلایا ہے۔یعنی حق تعالیٰ کی عظیم اور غیر محصور مخلوقات میں غور وفکر کرنے والا اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے فضول و بیکار پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ ان کی خلقت میں ہزاروں حکمتیں مضمر ہیں، ان سب کو انسان کا خادم اور انسان کو مخدوم کائنات بنا کر انسان کو اس غور وفکر کی دعوت دی ہے کہ ساری کائنات تو اس کے فائدہ کے لئے بنی ہے، اور انسان خدا تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کے لئے پیدا ہوا ہے، یہی اس کا مقصد زندگی ہے، اس کے بعد غور وفکر اور تفکر وتدبر کے نتیجہ میں وہ لوگ اس حقیقت پر پہنچے کہ کائنات عالم فضول و بیکار پیدا نہیں کی گئی، بلکہ یہ سب خالق کائنات کی عظیم قدرت وحکمت کے روشن دلائل ہیں"۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انسان وجنات کی رہنمائی کے لیے آخری نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا۔قرآن پاک کا مفہوم وہی معتبر اور صحیح ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھا ہو۔قرآن پاک کی تفسیر کا کام نہایت احتیاط کا متقاضی ہے اور ہر کس وناکس کا یہ کام نہیں کہ وہ محض قرآنی تراجم پڑھ کر عقلی طور پر قرآن پاک کی تفسیر وتشریح کرنے بیٹھ جائے۔اگر کوئی شخص محض اپنی عقل کے بل بوتے پر قرآن کا مفہوم سمجھے اور پھر اس کو منشاء الٰہی قرار دے تو اس کو قرآن دشمنی پر محمول کیا جائے گا۔نیز اگر کوئی چاہے کہ لغت کی کوئی کتاب لے کر بیٹھ جائے، اور اس میں الفاظ کے معنی دیکھ دیکھ کر قرآن کا مفہوم سمجھنا شروع کرے تو قیامت تک قرآن کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔لہذا ہم میں سے ہر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآنِ پاک کی اُسی تفسیر اور مفہوم کو قبول کرے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہے۔

ہم نے اس مضمون میں قارئین کے سامنے سورۃ آل عمران کی ان آیات کا وہ مفہوم پیش کر دیا ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھا اور پھر حضرات مفسرین کرام نے اسے بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ" کائنات میں غور وفکر وہی محمود ہوسکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو"۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان قرآنی آیات کی من مانی تشریح کچھ اس طرح کرتے ہیں:

" آج امت مسلمہ جن چیلنجز کا سامنا کر رہی ہے ان میں ایک بڑا چیلنج اس علم کی روایت کا کھونا ہے جو ہم نے دمشق اور غرناطہ کے جامعات میں کھودی تھی اور آج دنیا جب ایک نئے علم کے انقلاب کی طرف گامزن ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تہذیب کہ جس کی بنیاد لفظ اقراء پر رکھی گئی تھی وہ مختلف حوالوں سے اس شعبے میں اپنی بنیاد کھو بیٹھی ہے۔اور اس کے لیے ہمیں اپنی اس بنیاد کو دوبارہ پانا ہوگا۔

میں حال ہی میں اسپین گیا اور مجھے بڑی دیر سے یہ خواہش تھی کہ میں ان خطوں میں جا کر مشاہدہ کرسکوں کہ جہاں

آٹھ سو سال تک اسلامی سلطنت قائم ہوئی جس میں نے نہ صرف اسلامی سلطنت کا بلکہ یورپ کا علم کے حوالے سے جسے گولڈن ایج (سنہری دور) کہا جاتا ہے اس کی بنیاد رکھی لیکن پھر آٹھ سو سال کے بعد وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ اور اب وہاں پر الحمرا کا محل یا مسجد قرطبہ کی صورت میں اس دور کی علامتیں رہ گئی ہیں۔ بلاشبہ اس میں بہت سبق ہے کسی بھی تہذیب کے عروج اور اس کے زوال کے لیے اور ایک کلیدی حقیقت جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تہذیب جو علم کے شعبے میں قیادت کرتی ہے اس کو دنیا میں بھی قیادت نصیب ہوتی ہے۔

یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ ہم مسلمانوں نے دین کی اس روح کو بھلا دیا ہے اور اس میں سب سے بڑا سبق جو ہمارے لیے ہے وہ قرآن مجید سے دوری کا ہے۔ ہم نے قرآن مجید کو تلاوت کے لیے برکت کے لیے رکھ لیا ہے لیکن اس کی روح کو ہم بھلا بیٹھے ہیں۔ میں اکثر اس بات کی توجہ دلاتا ہوں اپنے تعلیم کے اور سائنس کے شعبے سے تعلق رکھنے والوں کو کہ سورۃ آل عمران کی آیات ۱۹۰ اور ۱۹۱ وہ "ڈیوائن چارٹر یعنی فرمانِ الٰہی" ہیں جو اس امت کو دی گئیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے بہت وضاحت کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ

"یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں ہوش مندوں کے لیے نشانیاں ہیں"۔

اور پھر اپنے پیاروں کا ذکر یوں کیا:

"جو اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی اور اپنے پہلوؤں پر بھی اور مزید غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں"۔

یعنی کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق پہ غور و فکر وہ ڈیوائن خدائی مشن ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لیے نازل فرمایا یا لازم کیا کہ جو اسے یاد کرنے والے ہیں، جو اس کے پیارے ہیں، جو اس کے محبوب ہیں اور پھر کہتے ہیں:

"اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے مقصد تو پیدا نہیں کیا تو پاک ہے بس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا"۔

تو میرے بھائیوں بزرگوں! آج آپ مجھے بتائیے کہ کائنات کی تخلیق پہ غور و فکر کون کر رہا ہے؟ کائنات کی تخلیق کا غور و فکر جیمز ویب ٹیلی سکوپ کر رہی ہے! جو باہر مدار میں یورپ اور امریکہ کی سپیس ایجنسیوں نے لانچ کی ہے۔ آج کائنات کی غور و فکر تخلیق پر ہبل ٹیلیسکوپ کر رہی ہے کسی مسلمان ملک کا اس کے قریب قریب گزر نہیں ہے۔ جب ہمارا گولڈن پیریڈ (سنہری دور) تھا تو اس وقت ہم اسپیس سائنسز کی تحقیق کا مرکز تھے۔ تمام آبزرویٹریز یا سمرقند و بخارا میں تھیں یا الأندلس میں تھیں یا بغداد میں تھیں اور کانسٹیلیشن آف سٹارز کی میپنگ تمام مسلمان سائنس

دان کرتے تھے۔تو یہ علم اور فکر پر ہم نے جب اس روایت کو چھوڑ دیا تو ہم تنزلی کا شکار ہوتے چلے گئے۔آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اس تحقیق کی روایت کو دوبارہ زندہ کریں قرآن مجید کے ایک ایک لفظ کے اندر جو سمندر اس کے اندر معنی کا اور ہمارے لیے دعوت عمل کا ہے ہم اس میں غوطہ زَن ہو کے اس دنیا کے اندر دوبارہ وہ شان و شوکت حاصل کریں جسے ہم بھلا چکے ہیں"۔

علمائے کرام کے مطابق قرآنِ پاک کی آیات کی مذکورہ بالا تشریح سراسر غلط ہے، ایسی تشریح کرنے والے حضرات کو بہت سنگین خلط مبحث ہو گیا ہے، اور صحیح تشریح وہی ہے جو پہلے بیان کر دی گئی۔ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ نے علم کی روایت کو نہیں کھویا اور علم کی اس اصل روایت کو مدارسِ دینیہ زندہ رکھے ہوئے ہیں۔یہ وہی مدارسِ دینیہ ہیں جن پر بوریہ نشین علمائے کرام نہایت محدود دنیاوی وسائل کے ساتھ اس اصل علم کی روایت کو زندہ کیے ہوئے ہیں جس کو ختم کرنے کے درپے مغربی اقوام اور باطل قوتیں ہیں۔یہ مغربی اقوام اور باطل قوتیں چاہتی ہیں کہ مدارسِ دینیہ سے اس علم کی روایت کی اصل روح کو چھین لیا جائے اور اس کے لیے مدارسِ دینیہ کے نظام کو کمزور کرنے کی کوششیں اپنے عروج پر ہیں جس کے تحت "دینی وعصری علوم کا حسین امتزاج" کا کھوکلا نعرہ لگایا جارہا ہے۔مدارسِ دینیہ قائم رہیں گے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو کہ اللہ کے نام کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور باطل قوتوں کی مدارسِ دینیہ کو کمزور کرنے کی ہر کوشش ناکام ہو جائے گی ان شاء اللہ۔

جہاں تک دمشق اور غرناطہ کے جامعات سے علم کی روایت کو جوڑنے کا تعلق ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ علم کی اصل روایت اہلِ صفہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے زندہ کی تھی اور مدارسِ دینیہ اس علم کی روایت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔اگر اُمت مسلمہ نے اپنی بنیاد کو پانا ہے تو ہمیں اس اصلی علم کی قدردانی کرنی ہوگی جو کہ مدارسِ دینیہ زندہ رکھے ہوئے ہیں اور جس کی بنیادیں اہلِ صفہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جڑتی ہیں۔

جہاں تک تعلق ہے کہ" آج دنیا جب ایک نئے علم کے انقلاب کی طرف گامزن ہے" تو غالباً یہاں پر ایسے حضرات اس" نئے علم کے انقلاب" سے سائنس وٹیکنالوجی مراد لیتے ہیں۔اس سلسلے میں گزارش ہے کہ ہم مسلمانوں کو کسی" نئے علم کے انقلاب" کی طرف نہیں جانا بلکہ علم وہی محمود ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو اور ایسے علم کا حصول متقی علمائے کرام سے حاصل کیا جاتا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ" اسپین میں گئے اور وہاں جا کر مشاہدہ کیا کہ وہاں پر آٹھ سو سال تک اسلامی سلطنت قائم ہوئی"۔ ہم آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ آپ اسپین کیوں گئے؟ آپ مدینہ منورہ کیوں نہیں تشریف لے گئے؟ آپ اہلِ صفہ کے چبوترے کا مشاہدہ کرنے کیوں مدینہ منورہ تشریف نہیں لے گئے کہ کس طریقے سے اہلِ صفہ کئی کئی دنوں فاقوں

پر فاقے سے گزارتے اور اللہ رب العزت کی معرفت اور آخرت کی تیاری کی فکر میں لگے رہتے۔کیا آپ سے سامنے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طرز زندگی نہیں؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں ارشاد فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور یہاں پر ایسے وقت گزارو جیسے مسافر زندگی گزارتا ہے۔

نیز یہ جو کہا گیا کہ "کوئی مسلمان ملک بحیثیتِ مجموعی کائنات کی تخلیق میں غور وفکر نہیں کر رہا" تو یہ بالکل درست ہے کیونکہ ہم مسلمانوں نے اپنے اصل مقصدِ حیات کو بھلا کر ختم ہونے والی دنیاوی زندگی کے پیچھے اپنی صلاحیتیں صرف کرنا شروع کر دیں ہیں۔ جہاں تک مسلمانوں کے سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کا تعلق ہے تو یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ مسلمانوں کی ترقی کا معیار الگ ہے اور مغربی ممالک کی ترقی کا معیار الگ۔ بالفرضِ محال اگر مغربی سائنس و ٹیکنالوجی کو ہی معیار بنا لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کس کے ذمے ہے؟ عصری تعلیمی اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے یا پھر مدارسِ دینیہ کے؟ پاکستان ہی کے اعداد وشمار لے لیجئے، ہائیر ایجوکیشن کمیشن (ایچ ای سی) کے مطابق پاکستان میں کل دوسو اٹھتر (ایک سوسولہ پرائیوٹ سیکٹر اور ایک سو باسٹھ پبلک سیکٹر) یونیورسٹیاں ہیں۔سن ۲۰۲۲-۲۰۲۳ کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان کی ان تمام یونیورسٹیوں میں تقریباً اٹھاون ہزار پی ایچ ڈی فیکلٹی ہے اور بیس لاکھ سے زائد طلبائے کرام مختلف سائنسی شعبہ جات میں زیر تدریس تھے۔سوال تو یہ ہونا چاہیے کہ جب ان یونیورسٹیوں اور عصری تعلیمی اداروں پر اتنے وسائل خرچ ہو رہے ہیں تو انہی سے سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی نہ ہونے پر باز پرس بھی ہونے چاہیے؟ یہ عجیب منطق ہے کہ سائنس و ٹیکنالوجی میں کام کرنے کے جو پیسے لے رہے ہیں اور جن کے یہ فرائضِ منصبی میں شامل ہے کہ وہ سائنسی تحقیق کریں، اُن سے تو کوئی باز پرس نہیں اور سائنس وٹیکنالوجی میں تحقیق کرنا جن کا کام نہیں یعنی مدارسِ دینیہ، ان سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے سائنس وٹیکنالوجی میں کیا کردار ادا کیا؟

مزید افسوس اس بات پر ہے کہ قرآنِ پاک کی آیات کی غلط تشریح ایک دینی تعلیمی ادارے کے سالانہ اجتماع میں کی جا رہی ہے اور کوئی بھی اس پر ان صاحب کو تنبیہ نہیں کر رہا کہ کیوں وہ قرآنی آیات کی غلط تشریح کر رہے ہیں۔ دینی تعلیمی اداروں میں اس طرح کی تقریر کرنے سے دو فوائد حاصل کیے جا رہے ہیں، اول یہ کہ ان دینی تعلیمی اداروں کو مدارسِ دینیہ کے نظام سے علیحدہ کیا جائے اور دوم یہ کہ ان دینی تعلیمی اداروں میں کوئی اس طرح کی تقریر کرنے والوں سے باز پرس نہیں کرے گا۔ جبکہ اس کے برعکس اگر یہی تقریر پاکستان کے عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں کی جائے گی تو وہاں کی پی ایچ ڈی فیکلٹی ایسے لوگوں سے پوچھے گی کہ آپ سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کرنے کے لیے ہمیں فنڈنگ کیوں نہیں کر رہے؟ ہماری تنخواہیں کیوں نہیں بڑھا رہے؟ ہمارے مسائل کیوں

نہیں حل کر رہے؟ ایسی پالیساں کیوں نہیں مرتب کر رہے جسے سے پاکستان میں سائنس وٹیکنالوجی کو فروغ ملے؟ پھر قرآنِ پاک کی غلط تشریح اتنے اعتماد سے کی جارہی ہے کہ الامان الحفیظ اور پھر علامہ اقبال کے اشعار کو بھی غلط استعمال کیا جارہا ہے۔ ہم بس گزارش کریں گے کہ خدارا قرآنِ پاک کی وہی تشریح لیں جو کہ حضرات مفسرین نے بیان فرمائی ہے اور اسی تفسیر کو اختیار کرنے میں مسلمانوں کی فلاح ونجات ہے۔ ہم قارئین کے لیے علامہ اقبال کے شعر کو دہراتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے دانشوروں کو نہ ہی "تاریخِ سائنس" کا علم ہے اور نہ ہی "فلسفہ سائنس" کا علم۔ نیز اگر آجکل کی جدید سائنس وٹیکنالوجی ہی آپ کا معیار ہے تو اس کے اندر بھی آپ جیسے لوگوں کا عالمی سطح پر کوئی مقام نہیں۔ جب آپ لوگوں کی سائنس وٹیکنالوجی میں خود ہی استعداد نہیں ہے تو آپ پاکستان کے لوگوں کی رہنمائی کیسے کرسکیں گے؟ جب آپ کا ویژن ہی نہیں تو آپ مسلمانوں کو سائنس وٹیکنالوجی میں کیسے ترقی دلا سکتے ہیں؟ بات سیدھی سے ہے، بادی النظر میں آپ کا مقصد یہی نظر آتا ہے کہ مدارسِ دینیہ کو ان کے اصل مقصد سے ہٹایا جائے اور انہیں "دینی وعصری علوم کے حسین امتزاج" کے عنوان سے سائنس وٹیکنالوجی کی طرف راغب کیا جائے۔ اور پھر نتیجتاً ان مدارسِ دینیہ کا بھی خدانخواستہ وہی حال کیا جائے جو موجودہ عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کا ہے کہ پاکستان کی کوئی ایک بھی یونیورسٹی بین الاقوامی رینکنگ میں دنیا کے بیس بہترین یونیورسٹیوں میں شامل نہیں ہے۔ پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ:

"آج آپ مجھے بتائیے کہ کائنات کی تخلیق پہ غور وفکر کون کر رہا ہے؟ کائنات کی تخلیق کا غور وفکر جیمز ویب ٹیلی سکوپ کر رہی ہے! جو باہر مدار میں یورپ اور امریکہ کی سپیس ایجنسیوں نے لانچ کی ہے۔ آج کائنات کی غور وفکر تخلیق پر ہبل ٹیلیسکوپ کر رہی ہے کسی مسلمان ملک کا اس کے قریب قریب گزر نہیں ہے۔ جب ہمارا گولڈن پیریڈ (سنہری دور) تھا تو اس وقت ہم اسپیس سائنسز کی تحقیق کا مرکز تھے۔ تمام آبزرویٹریز یا سمرقند وبخارا میں تھیں یا الأندلس میں تھیں یا بغداد میں تھیں اور کانسٹیلیشن آف سٹارز کی میپنگ تمام مسلمان سائنس دان کرتے تھے۔ تو یہ علم اور فکر پر ہم نے جب اس روایت کو چھوڑ دیا تو ہم تنزلی کا شکار ہوتے چلے گئے"۔

ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ کائنات کی تخلیق پر غور وفکر کا مقصد "خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ" ہے۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ دنیا میں کتنے سائنسدان ومحققین ہیں جو کہ جدید سائنس کے تحت کائنات پر غور وفکر کر کے خدا

کی یاد اور آخرت کی طرف متوجہ ہوئے؟ جدید سائنس وٹیکنالوجی میں جو سائنسدان ومحققین منہمک ہیں وہ تو خدا بیزار ہیں نعوذ باللہ۔ جدید سائنس کے تحت ان کا کائنات پر غور وفکر کچھ فائدہ مند ثابت نہیں ہو رہا، حتیٰ کہ جو مسلمان سائنسدان اور محققین ہیں، وہ بھی جدید سائنس کو پڑھ کر خدا بیزار ہو چکے ہیں الا ماشاء اللہ۔

جہاں تک مسلمانوں کے گولڈن پیریڈ (سنہری دور) کا تعلق ہے تو مسلمانوں کے لیے سنہری دور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دور ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب سے بہترین لوگ ہیں جن کی اقتدا کی جائے۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے کے ہیں، پھر وہ جو ان کے قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے قریب ہوں"۔ قرنی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے لے کر دنیا سے پردہ فرمانے تک کا کل زمانہ مراد ہے، اس کے بعد اگلا زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''خیر القرون'' سے مراد اسلام کے ابتدائی تین اَدوار ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہدِ مبارک، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عہدِ مبارک اور تابعین کا زمانہ۔ وجہ یہ ہے کہ اس دور میں آخرت ہر رویے پر غالب تھی، اور دنیا ان کی نگاہوں میں بے حقیقت تھی، وہ دنیا طلبی، لذات وآسائش کی تلاش میں سرگرداں نہیں تھے (حوالہ: دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)"۔

جب مسلمانوں کے گولڈن پیریڈ (سنہری دور) کا ذکر کیا جاتا ہے تو ماضی بَعید کے مسلمان سائنسدانوں کے نام گنوائے جاتے ہیں جن میں سرفہرست ابوریحان محمد بن احمد البیرونی، فخر الدین رازی، ابونصر محمد بن محمد فارابی، ابن سینا، محمد بن موسیٰ خوارزمی، امام غزالی، اور ابن خلدون جیسے قابلِ ذکر نام ہیں۔ ان میں زیادہ تر سائنسدان طب، فلکیات، طبیعات، کیمیا، فلسفہ، علم الکائنات (کونیات)، مابعد الطبیعات، منطق، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ سائنسی علوم کے ماہر تھے اور ان میں سے کچھ کی دینی حیثیت بھی مُسلَّم تھی جن میں امام غزالیؒ کا نام قابلِ ذکر ہے۔ پھر ان ناموں کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ان جیسا بننا ہے اور نوجوان نسل کو اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اصُولی بات یہ ہے کہ پہلے ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کیا اللہ کی عبادت ہمارا مقصد ہے یا سائنس میں زندگی کھپانا؟ ہم لوگوں کے نزدیک کامیابی کیا ہے؟ مغربی سائنسی علوم کا حصول یا اللہ کی رضا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک کامیابی کا معیار کیا تھا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کتنے صحابہ سائنسدان تھے؟ صحابہ کرام میں سے کتنے صحابہ کرام نے دیگر اقوامِ عالم کی زبانیں سیکھیں؟ پھر اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ سائنس وٹیکنالوجی کے علوم کا حصول اور اس میں ترقی کرنا علمائے کرام اور مدارسِ دینیہ کا فرضِ

منصبی ہے یا یونیورسٹی کے پروفیسروں اور سائنسدانوں کا؟

بعض حلقوں کی کوشش ہے کہ مدارسِ دینیہ کی ٹرانسفارمیشن کی جائے یعنی مدارسِ دینیہ کو ماڈرن یونیورسٹی بنایا جائے۔ اگر سائنس وٹیکنالوجی کا اتنا ہی شوق ہے اور مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ کی خواہش ہے تو یونیورسٹیوں پر محنت کی جائے اور وہاں پر موجود سائنسدانوں اور محققین کو ترغیب دی جائے کہ وہ محنت کریں، اپنے فرائض منصبی کو نبھائیں اور سائنس وٹیکنالوجی میں مسلمانوں کا عالمی سطح پر نام روشن کریں چہ جائیکہ مدارسِ دینیہ کو ان کے اصل مقصد سے ہٹایا جائے۔ بہت ہی خوبصورت پیرائے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ ان مدارسِ دینیہ کو جدید یونیورسٹیوں میں تبدیل کر کے اور مدارسِ دینیہ میں سائنس پڑھا کر وہاں سے ایسے رجال کار پیدا ہوں گے جو کہ امُت کا درد رکھتے ہوں گے، کرپشن سے پاک ہوں گے اور پھر وہ سائنسی تحقیق کر سکیں گے۔ کیا آپ دوسرے معنوں میں یہ کہہ رہے ہیں کہ پورے پاکستان کو چلانے والے نااہل ہیں؟ کیا پوری عدلیہ، بیوروکریسی، اور فوج کرپشن کا شکار ہو چکی ہے؟ کیا یہ سارے لوگ نااہل ہیں؟ کیا یہ سارے لوگ پاکستان اور مسلمانوں سے مخلص نہیں؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ ابھی حال ہی میں معرکہ 'بنیان المرصوص میں کامیابی پاکستان افواج کی اہلیت وقابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ لہذا یہ نہ کہا جائے کہ پاکستان میں کوئی اہل موجود نہیں۔

ہمارے لیے معیار ابوریحان محمد بن احمد البیرونی، فخر الدین رازی، ابونصر محمد بن محمد فارابی، ابن سینا، اور محمد بن موسیٰ خوارزمی ہیں یا پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین؟ ہمارے لیے جابر بن حیان، ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الصباح الکندی، اور نصیر الدین طوسی معیار ہیں یا پھر امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ معیار ہیں؟ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مسلمانوں کے سنہری دور کے جن سائنسدانوں کے نام گنوائے جاتے ہیں ان میں سے بعض معتزلہ، اسمعیلی، ملحد، اور رافضی تھے لہذا کیونکر ایسے لوگ مسلمانوں کے پیشوا ہو سکتے ہیں؟

اس وقت سائنس کے عنوان سے جو کہا جا رہا ہے کہ مسلمان اس کو حاصل کریں تو ترقی ہوگی تو یہ محض دکھاوا ہے اور اپنے ذاتی مفادات کو حاصل کرنے کا طریقہ۔ دراصل سائنس کے حصول کے اس عنوان سے ایسے سائنسدانوں و محققین کی ایک کھیپ تیار کی گئی ہے جو کہ سرقہ بازی کے ماہر ہیں اور سائنس کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور غیر معیاری سائنسی تحقیق کر رہے ہیں اور عالمی سائنسی دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر کا مقصد (مغربی طاقتوں) کا یہ ہے کہ ایسے مسلمان سائنسدان بنائے جائیں جو کہ مسلمان کے لبادہ میں ہوں اور اصل مغرب کی ایجادوں اور ایجنڈے کے سفیر ہوں۔ مثلاً مصنوعی ذہانت کو ہی لے لیجئے۔ خود عالمی مغربی سنجیدہ سائنسدان اس کی خامیوں کو جانتے ہیں مگر ان مغربی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اتنا پیسہ لگایا ہے کہ اب بعض مسلمان سائنسدان آنکھیں بند

کر کے، اور خصوصا کچھ نوجوان صاحبانِ علم ، اس کو مدارسِ دینیہ میں اپنانے پر لگے ہیں الا ماشاءاللہ اور اصل سائنسی تحقیق کو نہیں دیکھ رہے اور صرف مغرب کی اندھی تقلید کر رہے ہیں۔

پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ "ہم مسلمان اس دنیا کے اندر دوبارہ وہ شان وشوکت حاصل کریں جسے ہم بھلا چکے ہیں"۔ عرض یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہرگز ہرگز یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں شان وشوکت حاصل کی جائے۔ علمائے کرام کے مطابق یہ سراسر اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے کہ انسان اس فنا ہونے والی زندگی میں اپنی صلاحیتیں صرف کر دے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ جب مسلمان اللہ کے احکامات کی بجا آوری کریں گے تو اللہ پاک اس پوری کائنات کو اس کے لیے مسخر فرما دیں گے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے پوری دنیا مسخر کر دی گئی تھی اور پوری دنیا ان کے تابع ہوگئی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین دنیا میں پھیل گئے تھے کہ اللہ کا کلمہ بلند کیا جائے، اُن کو زمین پر اقتدار نہیں چاہیے تھا، اور ان کا مقصد اللہ کی رضا تھا تو پوری زمین ان کے تابع ہوگئی، قیصر وکسریٰ کے محلات ان کے جھولی میں آ گرے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مقصد ہرگز دنیاوی شان وشوکت اور ان محلات کا حصول نہیں تھا۔ اگر یہ محلات ہی ان کا مقصد ہوتے وہ ہرگز ہرگز وہ دنیاوی شان وشوکت کو حاصل نہ کر سکتے تھے۔ اسی طریقے سے اگر آج مسلمان سائنس وٹیکنالوجی کے پیچھے بھاگیں گے تو ہم ہرگز ہرگز مغربی اقوام سے آگے نہیں نکل سکتے۔ نیز مسلمانوں کے تنزل کا سبب سائنس وٹیکنالوجی میں کمی نہیں بلکہ اپنا اصل مقصد کا بھولنا ہے اور مسلمانوں کا اصل مقصد ان مدارسِ دینیہ میں پڑھایا اور بتایا جاتا ہے، لہذا خدارا ان مدارسِ دینیہ کو ان کے اصل مقصد سے نہ ہٹائیں۔

کیا آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واقعات کُتب حدیث وتاریخ میں نہیں پڑھے کہ کس طریقے سے آسمانوں کے بادل صحابہ کے حکم پر بارش برساتے تھے؟ کیا آپ نے نہیں پڑھا کہ جنگل کے خونخوار جانور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حکم پر جنگل خالی کر دیتے تھے؟ کیا آپ نے نہیں پڑھا کہ ایک صحابی کے باغ میں پانی کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ سے دعا کی اور نتیجتاً بادل آیا اور صرف ان کے باغ پر بارش برسائی؟ الغرض، حیاۃ صحابہ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ کس طریقے سے اللہ پاک نے صحابہ کرام کے لیے اس کائنات کو مسخر فرما دیا تھا۔ کیا ہم مسلمانوں کے لیے لازمی نہیں ہے کہ ہم ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حیاۃ کا مطالعہ کریں اور کوشش کریں کہ ان کے نقشِ قدم پر چل کر ہمیشہ ہمیشہ کی آخرت کی آنے والی زندگی کی تیاری کریں!۔

تسخیر کائنات سے شکستِ نفس تک

خواہشات کا لاحاصل سفر

مولانا عبید انور شاہ

جب سے یہ دنیا وجود میں آئی، تب سے یہ بغیر رُکے، بغیر تھکے، ایک بندھے بندھائے اُصول کے تحت اپنی منزل کی طرف رَواں دَواں ہے۔ وہی طلوع وغروبِ شمس کا نظام ہے، وہی گردشِ لیل ونہار ہے۔ کبھی خزاں ہے، کبھی بہار ہے، کبھی سردی کا زور ہے، کبھی گرمی کا جوش ہے، کبھی طوفان کی تیزی ہے اور کبھی ابر وباراں کی بلاخیزی ہے۔ موسم اسی طرح ادلتے بدلتے ہیں اور اپنی مخصوص ترتیب کے مطابق الٹتے پلٹتے رہتے ہیں۔ بادل اسی طرح پرواز کرتے ہیں، ستارے اسی طرح چمکتے ہیں، آگ روشنی دیتی ہے، جھلساتی ہے، جلاتی ہے، پانی بہتا ہے، دوڑتا ہے، اچھلتا کودتا سفر کرتا ہے، ہوا سائیں سائیں کرتی ہے، پھول خوشبو لٹاتے ہیں، پرندے چہچہاتے ہیں۔ دانہ مٹی میں سماتا ہے، اس سے کلیاں پھوٹتی ہیں، جڑیں بنتی ہیں، پودا نکلتا ہے، درخت بنتا ہے، گھاس اگتی ہے، ہریالی پھیلتی ہے، پھر پتے زرد پڑ جاتے ہیں، گھاس خشک ہوجاتی ہے، درخت بے لباس ہوجاتے ہیں، زمین خشک ہوتی ہے، بنجر بن جاتی ہے، مینہ برستا ہے اور پھر وہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اس کائنات کی ہر شے اپنے دائرے میں اسی طرح مصروفِ عمل ہے جس طرح وہ پہلے دن تھی۔ افراد وجزئیات پر نظر ڈالیں تو بھی یہی چیز نظر آتی ہے۔ پرندے اسی طرح گھونسلہ بناتے ہیں، دانے کی تلاش میں پرواز کرتے ہیں اور دانہ ملنے پر واپس آجاتے ہیں۔ درندے غاروں میں، پہاڑوں میں، جنگلوں کے تاریک گوشوں میں رہتے ہیں، بھوک ستاتی ہے تو شکار کے لیے نکلتے ہیں اور پیٹ بھر جائے تو پھر اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ تمام پرندے اور درندے صدیوں پہلے کی طرح آج بھی اسی جبلت اور ضرورت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔

نظامِ کائنات کا یہ غیر متزلزل تسلسل فطرت کی پابندی کو ظاہر کرتا ہے، کائنات کا ہر ذرّہ، ہر پرندہ، ہر درندہ اپنے دائرے میں خاموشی سے اپنے فرض پر کاربند ہے، لیکن اس دنیا میں انسان نامی ایک مخلوق ہے جس نے غاروں سے سفر شروع کیا، ٹھیک سے چلنا سیکھا تو دوڑنے کا شوق پیدا ہوا، دوڑنا سیکھ گیا تو تیرنے کی ضد کر بیٹھا، یہ مرحلہ سر ہوا تو سمندر کی گہرائی میں اترنے کی ٹھانی، پاتال کی خبر لایا تو اب چاند پر کمند ڈالنے کی فکر میں پڑ گیا، ستاروں کو قید کرنے کی ترکیب سوچنے لگا اور سیاروں پر گھر بسانے کے خواب دیکھنے لگا۔ روٹی (غذا)، کپڑا اور مکان (سر چھپانے کی جگہ) ہر جاندار کی

ضرورت ہے۔ انسان کے سوا جتنے جاندار ہیں وہ اپنی یہ بنیادی ضروریات اپنے بنیادی اور یکساں طریقے پر پوری کرتے ہیں، اس میں کوئی تبدیلی اور جدت نہیں آئی۔ لیکن انسان نے اپنی ہر ضرورت کو ضرورت سے بڑھا کر پسند، شوق، دلچسپی، تفریح، لذت، آرام کے خانوں میں تقسیم کیا اور پھر عجب جادوگری دکھائی۔ ماکولات ومشروبات میں بے شمار ذائقے، ان گنت پکوان، لاتعداد ڈش اور لامحدود اقسام ایجاد کیے۔ سبزیوں اور پھلوں میں نئے نئے تجربات کیے۔ بیسیوں قسم کے آم، سیب، انگور، ٹماٹر، مرچ، پیاز، وغیرہ تیار کیے۔ لباس کی باری آئی تو ایک الگ ہی کائنات بنا ڈالی۔ رنگ برنگے، بھاری ہلکے، نرم موٹے، چمکیلے بھڑکیلے، بے شمار ڈیزائن، بے پناہ اسٹائل، عمر، جنس اور ہر موقع کے لیے الگ الگ ہزاروں لاکھوں قسمیں بنا ڈالیں۔ مکان کا نمبر آیا تو جھونپڑی سے لے کر محل تک، کچے گھر سے لے کر بلند و بالا عمارتوں تک، چھوٹے سے حجرے سے لے کر عظیم الشان قلعوں تک، سادہ رہائش گاہ سے لے کر فنِ تعمیر کی شاہکار بلڈنگوں تک، انسان کے اختراع وایجاد کی داستان پھیلی ہوئی ہے۔

ضرورت سے یا مجبوری سے نقلِ مکانی ہر جاندار کرتا ہے۔ اس فعل میں بھی انسان نے اپنی انفرادیت کا ثبوت دیا۔ پرندہ پرواز کرنے تک محدود رہا، آبی مخلوق تیرنے پر اکتفا کیے رہی، چوپائے پیروں پر بھروسا کیے رہے، مگر جب انسان نے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی ضرورت محسوس کی، تو پہلے قدموں پر بھروسا کیا، پھر جانوروں کو سواری بنایا، پہیہ ایجاد کیا، گاڑیاں بنائیں، کشتیوں کو تشکیل دیا، سمندروں کا سینہ چاک کیا، ریل دوڑائی، سڑکیں بچھائیں، اور پھر ایسی مشینیں بنا ڈالیں جو چند گھنٹوں میں اسے دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچا دیتی ہیں۔ وہ اس پر بھی مطمئن نہ ہوا، تو اس نے ہواؤں میں پرواز کی، اور آج وہ زمین کو سر کرنے اور آسمان میں اڑنے سے بھی مطمئن نہیں بلکہ اب آسمان کی وسعتوں سے آگے نکلنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔

پھر انسان نے صرف جسمانی سفر ہی نہیں کیا، اپنے جذبات وخیالات کو بھی سفر کرانے کا انتظام کیا۔ زبان بنائی، الفاظ کو معنی دیے، آوازوں کو حروف میں ڈھالا، حروف کو کتابوں میں محفوظ کیا، کروڑوں اربوں کتابیں لکھ ڈالیں اور کتابوں کو کتب خانوں میں جمع کیا، پھر پیغام رسانی کے ایسے ذرائع ایجاد کیے کہ ایک انسان کی آواز ہزاروں میل دور بیٹھے لوگوں تک پہنچنے لگی۔ لیکن انسان کی یہ داستان صرف اختراع وایجاد کی داستان نہیں ہے، بلکہ یہ نہ ختم ہونے والی خواہش کی داستان ہے۔ جو چیز کبھی ضرورت تھی، وہ سہولت بنی؛ سہولت پسند بنی؛ پسند شوق بنی؛ شوق عادت بنا؛ اور عادت رفتہ رفتہ ضرورت کا روپ دھارنے لگی۔ انسان نے اپنی زندگی آسان بنانے کے لیے جو چیزیں ایجاد کیں، ان میں سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے بغیر اب اسے زندگی دشوار محسوس ہوتی ہے۔ ایک پرندے کے لیے گھونسلہ رہائش ہے، ایک درندے کے لیے غار پناہ گاہ ہے، ایک جانور کے لیے غذا پیٹ بھرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن انسان کے لیے مکان

صرف سر چھپانے کی جگہ نہیں رہا، لباس صرف بدن ڈھانپنے کا وسیلہ نہیں رہا، اور غذا صرف بھوک مٹانے کا نام نہیں رہی۔ ان بنیادی ضرورتوں کے گرد اس نے ذوق، تہذیب، آرائش، امتیاز، شناخت، اور نمائش کی پوری پوری دنیائیں آباد کر دی ہیں۔ انسان نے وقت بچانے کے لیے مشینیں بنائیں، فاصلے کم کرنے کے لیے ذرائع ایجاد کیے، محنت گھٹانے کے لیے آلات تیار کیے، مگر عجیب بات ہے کہ سہولتوں کے بڑھنے کے ساتھ اس کی مصروفیات بھی بڑھتی گئیں۔

جس وقت کو بچانے کے لیے اس نے اتنی جدوجہد کی، وہی وقت اب اس کے ہاتھ سے پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ پھسلنے لگا ہے۔ انسان کی یہ داستان ابھی ختم نہیں ہوئی۔ انسان آج بھی ایجاد کر رہا ہے، آج بھی اپنی ضرورتوں کی نئی صورتیں تلاش کر رہا ہے، آج بھی اپنی زندگی کو زیادہ آرام دہ، زیادہ تیز، زیادہ وسیع اور زیادہ رنگین بنانے میں مصروف ہے۔ ایک ضرورت پوری ہوتی ہے تو دوسری جنم لیتی ہے، ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو اس کے پیچھے کئی نئی خواہشیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ یوں انسان کی زندگی صرف ضروریات پوری کرنے کا نام نہیں رہی، بلکہ ضروریات پیدا کرنے، انہیں وسعت دینے اور پھر ان کی تکمیل کے لیے مسلسل دوڑتے رہنے کا نام بن گئی ہے۔

غور کریں کہ اگر انسان کے پاس عقل نہ ہوتی تو اس کی لامحدود خواہشات اور ہل من مزید کی یہ تڑپ کبھی تنوع، جدت اور نئے پن کے مظاہر میں سامنے نہ آ پاتی۔ یہ عقل ہی ہے جس نے اسے یہ سب کرنے لائق بنایا۔ عقل ہی کے ذریعے اس نے زمین کی حدیں توڑیں، سمندروں کی گہرائیوں میں اترا، آسمانوں کو مسخر کرنے کی کوشش کی، زندگی کو آرام دہ بنانے کے لیے بے شمار سہولتیں پیدا کیں، مگر انسان کی داستان کا سب سے عجیب پہلو یہ ہے کہ اس کے باوجود اس کی طلب ختم نہ ہوئی۔ ایک منزل ملتی ہے تو دوسری سامنے آ کھڑی ہوتی ہے، ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو کئی نئی خواہشیں جنم لے لیتی ہیں۔ کائنات اپنے مقررہ دائرے میں چل رہی ہے، پرندہ اپنی ضرورت کے مطابق اڑ رہا ہے، درندہ اپنی جبلت کے مطابق شکار کر رہا ہے، موسم اپنی ترتیب سے بدل رہے ہیں؛ مگر انسان ہے کہ اپنی بنائی ہوئی دنیا میں بھی ایک ایسی منزل کی تلاش میں سرگرداں ہے جس کا کوئی آخری سرا دکھائی نہیں دیتا۔

عقل سے اس نے کائنات کو مسخر اور دنیا کو فتح کرنے کے لیے بہت کچھ سیکھ لیا، مگر تمام تر عقل کے باوجود اپنی خواہشوں کو فتح کرنا نہ سیکھ سکا اور شکست نفس میں مبتلا ہو گیا۔ اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ عقل انسان کا سب سے بڑا سرمایہ بھی ہے اور اس کے لیے سب سے بڑی آزمائش بھی۔ عقل ہی اس کے کمال کا سبب ہے اور یہی اس کے زوال کی وجہ بھی۔ عقل ہی اس کی معراج ہے اور عقل ہی اس کے لیے باعثِ عذاب بھی۔ عقل ہی اس کے فضل و کمال اور اس کی نجات کا راز ہے اور یہی اس کے ابتلا و امتحان کا مدار بھی! خواہشات کے اَسپِ سرکش کو عقل کی لگام سے قابو میں رکھا جائے تو تسخیرِ کائنات کے ساتھ تسخیرِ نفس کا سفر بحسن و خوبی طے ہو سکتا ہے۔

مجدِ قراءات

حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

کی مثالی شخصیت و درسگاہ: ایک شاگرد کی نظر سے

قاری غلام مصطفیٰ معاویہ

یہ حقیقت اپنی جگہ ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہے کہ علمِ قرآن کی برکتیں انسان کو نہ صرف دنیا میں عزت عطا کرتی ہیں بلکہ اس کے دل و دماغ میں ایک ایسا نور بھر دیتی ہیں جو زندگی بھر اس کے ساتھ رہتا ہے۔

1973ء کا وہ زمانہ آج بھی یادوں کے افق پر ایک تابندہ باب کی صورت میں جلوہ گر ہے، جب ناچیز کو سواگ برادری کے چشم و چراغ، ولی کامل، استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ میں، ملتان کی مقدس فضاؤں میں قرآنِ مجید کے حفظ کی سعادت حاصل ہو رہی تھی۔ وہ لمحے محض تعلیمی نہیں بلکہ روحانی تربیت کے ایسے نقوش تھے جو دل کی لوح پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گئے۔ انہی ایام میں دو مرتبہ شیخ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کے سامنے امتحان دینے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ایسے مواقع ہم جیسے طالب علموں کے لیے بہت بڑا اعزاز اور سرمایہ حیات ہوا کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ امتحان میں بندہ کے ساتھ اس امتحانی مجلس میں صاحبزادہ حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب بھی شریک تھے، جو اس وقت تین مختلف اداروں 1۔ ابدالی مسجد 2۔ جامعہ فتح الرحیم 3۔ جامعہ قاسم العلوم ملتان میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ ہم دونوں نے مسجد سراجاں میں امتحان دیا۔

حضرت نے ایک مقام سورۃ طٰہٰ کا ساتواں رکوع: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى فَقُلْنَا۔ مزید ایک سے دو مقامات میں سے سنا اور امتحان کے بعد مسرت کا اظہار فرمایا اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ہم دونوں کو دو دو روپے بطور انعام بھی عنایت فرمائے، وہ دو روپے عرصہ دراز تک یادگار اور برکت کے طور پر بندہ کے پاس محفوظ رہے۔

یہ سب یادیں آج بھی دل میں ایک خوشبو کی طرح بسی ہوئی ہیں، اور ان اساطینِ علم و قراءت کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ، مجدِ قراءات حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمہ اللہ، اور ولی کامل حضرت مولانا قاری محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی قبور پر اپنی بے شمار رحمتیں

نازل فرمائے۔جن کے فیض سے آج بھی دنیا بھر میں قرآنِ مجید کی روشنی اسی طرح پھیل رہی ہے جیسے سورج اپنی کرنوں سے کائنات کو منور کرتا ہے۔ان کی یہ علمی و روحانی وراثت آج بھی زندہ ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہے۔

<u>حضرت مجدِ دِقراءات کی درسگاہ میں داخلہ ملنے کی سعادت:</u> حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد بندہ ملتان سے جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی علم کی غرض سے چلا گیا۔1978ء جب ملتان واپسی ہوئی تو اللہ کے فضل وکرم سے جامعہ خیرالمدارس میں داخلہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

اس دور میں جامعہ خیرالمدارس کی سرپرستی واہتمام ایسی عظیم اور باکمال ہستی کے ہاتھوں میں تھا جن کی ذات خود منبعِ فیوض وبرکات تھی۔جامعہ کے موجودہ مہتمم شیخ الحدیث وقائد وفاق المدارس،آیتُ الخیر مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم العالیہ کے والدِ گرامی، استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ فاضلِ دارالعلوم دیوبند نہایت شفیق، رحم دل اور صاحبِ تقویٰ انسان تھے۔سادگی اور حسنِ اخلاق حضرت کی شخصیت کا نمایاں وصف تھا۔طلبہ پر آپ کی خصوصی نظرِ شفقت رہتی؛ جس طالب علم کو جس چیز کی ضرورت ہوتی، آپ بذاتِ خود خاموشی سے اس کی حاجت پوری فرما دیتے۔کپڑے ہوں یا جوتے، ٹوپی ہو یا رومال، سردیوں کی چادر یا کوٹ بی جو میسر نہ ہوتا، وہ بلانمود ونمائش عنایت کر دیا جاتا۔اور ساتھ یہ تاکید بھی فرماتے: ''کسی کو بتانا نہیں''۔ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ نیکی صرف اللہ کے لیے ہوتی، بندوں کی نگاہوں کے لیے نہیں۔اسی بے مثال سادگی اور خلوص کے سبب اللہ تعالیٰ نے حضرت پر خصوصی فضل فرمایا۔سن 1981ء میں حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہیں مکہ مکرمہ میں آپ کا وصال ہوا۔بیت اللہ شریف میں آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور جنت المعلی میں سپردِ خاک ہوئے۔یہ مقام اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔اگر حضرتِ مہتمم صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت پر قلم اٹھایا جائے تو مہتممین، علما اور طلبہ، بلکہ عامۃ الناس کی اصلاح وتربیت کے لیے بھی ایک وافر سرمایہ میسر آ سکتا ہے۔ان کی زندگی تقویٰ، تواضع، اخلاص اور خدمتِ خلق کا روشن نمونہ تھی۔اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

راقم کو حضرت مجدِ دِقراءت حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتیؒ کی درسگاہ میں داخلہ کی سعادت نصیب ہوئی، اور یوں علم وعمل کے اس بحرِ بے کراں میں قدم رکھنے کی توفیق ہوئی جس کی موجیں دل ونظر دونوں کو سیراب کر دیتی تھیں۔یہ وہ درسگاہ تھی جہاں سراپا حسن و جمال، متبعِ سنت، بردبار و باوقار، فنافی القرآن اور مجدِ دِقراءات حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمہ اللہ جلوہ افروز تھے۔حضرت کی درسگاہ کا منظر ہی کچھ ایسا تھا کہ اہلِ نظر کو یوں

محسوس ہوتا جیسے ہر لمحہ اللہ کی رحمتیں نازل ہو رہی ہوں۔ حضرت قاری صاحب کے چہرۂ انور کا نور اور طلبہ کے چہروں پر جھلکتا شوقِ علم؛ یہ سب مل کر ایک ایسا روحانی ماحول پیدا کرتے تھے جس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ طلبہ کا حضرت سے بے لوث پیار اور حضرت کا طلبہ سے پدرانہ شفقت بھرا تعلق دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ تعلق رسمی نہ تھا بلکہ دل سے دل تک جڑا ہوا تھا، جہاں ادب، محبت اور اخلاص ایک دوسرے میں گھل مل جاتے تھے۔

بظاہر وہ ایک سادہ سا کمرۂ جماعت تھا، مگر حقیقت میں وہ ایک مکمل یونیورسٹی تھی؛ ایسی یونیورسٹی جہاں ایک ہی وقت میں تصحیحِ قرآن، گردان، مکمل تجوید، علمِ قراءت اور اس فن کی مستند کتب کی تدریس ہوتی تھی۔ یہاں حروف کی ادائیگی سے لے کر معانی کی لطافت تک، اور صوت کی درستی سے لے کر قلوب کی اصلاح تک سب کچھ ایک ہی چھت تلے سکھایا جاتا تھا۔ یہی وہ راز تھا جس نے اس جگہ کو محض ایک کلاس روم نہیں، بلکہ علم و نور کی ایک زندہ درسگاہ بنا دیا۔

قرآن مجید کے ساتھ خاص عشق: حضرت کا قرآنِ مجید کے ساتھ خاص لگاؤ اور بے مثال عشق ہی دراصل وہ جوہر تھا جس نے حضرت کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز و منفرد بنا دیا تھا۔ قرآن مجید اُن کے لیے دل کی دھڑکن، روح کی غذا اور زندگی کا محور تھا۔ ان کی نگاہ، ان کی زبان، ان کی محنت اور ان کی دعائیں بی سب قرآن مجید کے گرد گھومتی تھیں۔ یہی خلوص، یہی فنا اور یہی نسبت تھی جس نے ان کی تعلیم و تربیت میں وہ تاثیر پیدا کی جو نسلوں تک منتقل ہوتی چلی گئی۔

اللہ رب العزت کا دستور ہے کہ جو اس کے کلام سے سچی محبت کرے، وہ اسے ایسی عزت عطا فرماتا ہے جو باقی رہتی ہے۔ حضرت کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس عاشقِ قرآن کو عشقِ قرآن کا صلہ اس شان سے عطا فرمایا کہ آج حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمہ اللہ کا نام تجویدی قرآنِ مجید کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ تجویدی قرآن پاک کو طلب کرنے والوں کی تب تک تسلی نہیں ہوتی جب تک انھیں قرآن مجید کے ٹائٹل پیج پر حضرت مجددِ قراءات کا نام نظر نہ آ جائے۔ بندہ کی محدود معلومات کے مطابق تاریخِ قرآن میں یہ ایک انوکھا اور بے مثال اعزاز ہے، جو اس سے پہلے کسی کے حصے میں نہیں آیا۔۔۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطاء کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہ دراصل اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کے ساتھ سچا تعلق کبھی ضائع نہیں جاتا۔ جو اپنی زندگی قرآن مجید کے نام کر دے، اللہ تعالیٰ اس کے نام کو خود اپنے کلام کے ساتھ زندہ فرما دیتا ہے۔ یہ اعزاز محض نام کا نہیں، بلکہ اس عشق کی مہرِ تصدیق ہے جو حضرت کے سینے میں قرآنِ مجید کے لیے موجزن تھا، اور جو آج بھی اہلِ قرآن کے

دلوں میں چراغ بن کر روشن ہے۔

تعلیمِ قرآن مجید کا امتیازی معیار: جس طرح حضرت خود قرآنِ مجید کے ساتھ گہرا قلبی اور روحانی تعلق رکھتے تھے، اسی طرح وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کے متعلقین، متوسلین اور شاگرد بھی اسی نسبت، اسی عشق اور اسی وابستگی سے سرشار ہوں ان کی خواہش تھی کہ ہر دل قرآن مجید سے جڑ جائے اور ہر زندگی اس کے نور میں ڈھل جائے۔ اسی فکر اور اسی مقصد کے تحت حضرت کا اندازِ تعلیمِ قرآن، حفظِ قرآن اور گردان کا نظام ایک امتیازی معیار رکھتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ شاگرد کا قرآن سے تعلق مضبوط، زندہ اور ہمہ وقت بیدار رہے؛ اس لیے حفظ میں پختگی اور تلاوت کے ساتھ ادب کو لازم قرار دیتے تھے۔ ادب کا یہ عالم تھا کہ سینکڑوں طلباء کی کلاس میں کسی طالب علم کی قرآن پاک کی طرف پیٹھ نہ ہوتی تھی۔ منزل کی پختگی کا یہ معیار تھا کہ معمولی سی کمزوری اور لغزش کو بھی اس تعلق کی کمی سمجھا جاتا اور اس کی اصلاح نہایت توجہ اور اہتمام سے کی جاتی۔ حفظ اور گردان سے فراغت کے بعد پورے قرآنِ مجید میں غلطی تو درکنار، معمولی سی اٹکن بھی ایک بڑا عیب شمار کی جاتی تھی۔ اس معیارِ تعلیم نے طلبہ کے دلوں میں قرآن کے لیے ایسی ہیبت اور احترام پیدا کر دیا تھا جو عمر بھر باقی رہتا۔ صرف منزل کی پختگی ہی کل معیار نہ تھا بلکہ ہر ہر حرف کا حق ادا کرنا، ہر مد و قصر کی رعایت، اور تمام مخارج کی درستگی لازم سمجھی جاتی تھی۔ نظر اس قدر گہری اور باریک بین ایسی ہوتی کہ معمولی لغزش بھی فوراً پکڑ لی جاتی، مگر اصلاح ہمیشہ شفقت اور حکمت کے ساتھ کی جاتی تاکہ طالب علم کی ہمت بڑھے اور ذوقِ قرآن مزید نکھر جائے۔

یہی سخت معیارِ تعلیم دراصل قرآنِ مجید کے ساتھ غیر معمولی وابستگی اور ذمہ داری کے احساس کی علامت تھا۔ طلبہ کو یہ سکھایا جاتا تھا کہ جس کتابِ مقدس کو وہ سینوں میں محفوظ کر رہے ہیں، اس کی ادائیگی میں معمولی سی کوتاہی بھی قبول نہیں۔ حضرت مجدد قراءات رحمہ اللہ کے حفظ و گردان کی کلاس سے فارغ التحصیل ہونا محض ایک تعلیمی مرحلہ طے کرنا نہیں تھا، بلکہ یہ قرآنِ مجید کے ساتھ ایک مضبوط اور ذمہ دارانہ رشتہ قائم ہو جانے کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ یہ معیار کسی وقتی مشق کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ مسلسل محنت، بار بار دہرائی، اور استاد کی باریک بینی سے کی گئی نگرانی کا ثمر تھا۔ ہر حرف، ہر لفظ اور ہر آیت کو اس قدر مضبوط کر دیا جاتا تھا کہ قرآن سینے میں یوں رچ بس جاتا جیسے سانس کے ساتھ آ جا رہا ہو۔ اسی احساسِ ذمہ داری نے اس درسگاہ کو قراءت و تجوید کے میدان میں ایک ممتاز مقام عطا کیا اور یہاں سے نکلنے والے حفاظ و قراء کو امت کے لیے ایک قابلِ اعتماد سرمایہ بنا دیا۔

درحقیقت حضرت مجدد قراءات رحمہ اللہ کے اس اسلوبِ تعلیم نے قرآنِ مجید کو محض یاد کی ہوئی کتاب نہیں رہنے

دیا، بلکہ ایک زندہ امانت بنا دیا، جس کی حفاظت میں ذرا سی غفلت بھی گوارا نہ کی جاتی تھی۔ یہی وہ کمال تھا جس نے ان کی کلاس سے فارغ التحصیل ہونے والوں کو امتیاز بخشا جو کہ ہمارے استاذ کی علمی عظمت پر ایک روشن گواہی ہے

حضرت کی کلاس ایک مکمل تعلیمی ادارہ: حضرت کی کلاس محض حفظ وگردان کی کلاس نہ تھی بلکہ علوم کا ایک مکمل ادارہ تھا۔ جس میں تجوید وقراءت کی کئی اہم کتب ورسائل کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں۔

1۔العطایا الوھبیہ شرح مقدمہ الجزریہ۔2۔تنویر شرح تیسیر۔3۔تکثیر النفع فی القرات السبع۔4۔تکمیل الاجر فی القرات العشرہ۔5۔ہدایات الرحیم۔6۔المہذبہ فی وجوہ الطیبہ۔7۔المراءۃ النیرۃ فی حل الطیبہ۔8۔رسائل قراءت عشرہ کی کتب۔9۔الخط العثمانی فی رسم قرآنی۔10۔تاج المصاحف۔

اسی طرح سیدنا قالون، سیدنا ورش، سیدنا ابن کثیر مکی، سیدنا امام ابوعمرو بصری، سیدنا ابن عامر شامی، سیدنا شعبہ، سید امام کسائی، قراءۃ ثلاثہ سیدنا ابوجعفر یزید، سیدنا یعقوب، سیدنا امام خلف اور سیدنا امام حمزہ کوفی یہ سب رسالے حضرت سبقاً پڑھایا کرتے تھے۔

قرآنِ مجید کے حفظ، گردان اور علمِ قراءت کے ساتھ ساتھ درسِ نظامی کی منتخب اور بنیادی کتب کے اسباق بھی اسی مبارک درسگاہ میں جاری رہتے تھے، یوں محسوس ہوتا تھا کہ علومِ آلیہ وعالیہ سب ایک ہی چشمۂ نور سے سیراب ہو رہے ہیں۔ بندہ کو یہ بات خود جامعہ خیر المدارس کے موجودہ رئیس دار الافتاء حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بتائی کہ انہوں نے صرف ونحو کے اسباق حضرت مجدِ قراءات رحمہ اللہ ہی سے پڑھے، اور حضرت کا اندازِ تدریس تو نرالا تھا ہی، اندازِ سماعت بھی قابلِ تقلید تھا۔ آپؒ جب پڑھایا ہوا سبق سنتے تو یوں محسوس ہوتا گویا قرآنِ مجید کی منزل سنی جارہی ہو۔ ہر لفظ پر توجہ، ہر حرکت وسکون پر نظر، اور ہر لغزش پر ایسی شفقت آمیز اصلاح بی جس سے علم بھی نکھرتا اور طالب علم کا حوصلہ بھی بلند رہتا۔

حضرت کی کلاس ایک مکمل تربیتی واصلاحی ادارہ: حضرت مجدِ قراءات رحمہ اللہ کا یہ امتیاز تھا کہ وہ ہر طالب علم کو اس کے مزاج، استعداد اور فطری صلاحیت کے مطابق آگے بڑھاتے تھے۔ بلکہ اعتدال، حکمت اور محبت کے ساتھ تربیت حضرت کا خاصہ تھا۔ کمزور کو سہارا، متوسط کو رہنمائی، اور ممتاز کو مزید نکھار دینا؛ یہ سب ان کے تربیتی اسلوب کا حسن تھا۔ اصلاحِ نفس اس مبارک تربیت گاہ کی روح اور اساس تھی۔ صوم وصلوٰۃ کی سخت پابندی کروائی جاتی تھی، فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام، تہجد کی عادت، اور تکبیرِ اُولیٰ کے ساتھ نماز ادا کرنا محض ترغیب نہیں بلکہ عملی

نظام کا حصہ تھا۔طلبہ کی ظاہری و باطنی اصلاح پر یکساں توجہ دی جاتی۔وضع قطع، چال ڈھال،نشست و برخاست اور گفتار تک ہر پہلو پر نگاہ رکھی جاتی تھی،مگر یہ نگرانی محبت اور خیر خواہی کے جذبے سے لبریز ہوتی۔

یہ حضرت مجدِ قراءات رحمہ اللہ کا خاص امتیاز تھا کہ وہ اصلاح کو محض ہدایات تک محدود نہیں رکھتے تھے، بلکہ خود عملی نمونہ بن کر دکھاتے۔ان کی اپنی عبادت،خشوع وخضوع، پابندیٔ اوقات اور وقار بھرا طرزِ زندگی طلبہ کے لیے خاموش مگر مؤثر درس ہوتا۔یوں ان کی کلاس میں تعلیم محض سبق یاد کرنے کا نام نہ تھی، بلکہ شخصیت سازی، ذوق کی تربیت اور علم کے ساتھ عمل کی آبیاری کا ایک مکمل نظام تھا،اسی اصلاحی تعلق اور روحانی نسبت نے اس درسگاہ کو محض ایک تعلیمی ادارہ نہیں رہنے دیا، بلکہ ایک ایسی تربیت گاہ بنا دیا جہاں سے نکلنے والے طلبہ علم کے ساتھ عمل اور گفتار کے ساتھ کردار کی خوشبو لیے ہوئے دنیا میں پھیلتے رہے۔جس کے اثرات آج بھی شاگردوں کی علمی و عملی زندگی میں نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔

<u>حضرت قاری صاحبؒ کی تصنیفی خدمات:</u> حضرت رحمہ اللہ تمام شعبہ ہائے دین میں یکتائے روزگار اور بلند پایہ مدرس تو تھے ہی وہیں ایک باکمال اعلیٰ درجے کے مصنف ومؤلف بھی تھے۔آپ کی تدریسی وتصنیفی زندگی کا ایک نمایاں امتیاز یہ تھا کہ جن کتب کی آپ کلاس میں تدریس فرمایا کرتے تھے،ان میں سے متعدد کتب خود آپ کی تصنیف کردہ تھیں۔ان تصنیفات کا ایک بڑا حصہ آپؒ نے 1953ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے موقع پر کیمپ جیل لاہور میں اسیری کے دوران تحریر فرمایا۔جیل میں رسائل قراءت عشرہ کی تالیف کی ابتداء سیدنا امام قالونؒ وسیدنا شعبہؒ سے ہوئی۔اس تاریخی اسیری میں حضرت کے ساتھ ساتھ مفکرِ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، پیرِ طریقت حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب (کندیاں شریف) اور دیگر اکابر علماء کرام بھی شامل تھے۔اس قید و بند کے باوجود حضرت رحمہ اللہ قرآن مجید اور فنِ قراءات کی بے مثال خدمت جاری رکھی، جو آپ کے اخلاص، استقامت اور علمی عظمت کا روشن ثبوت ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کے تصنیفی کارنامے درج ذیل ہیں:

1۔آدابِ تلاوت۔ 2۔متشابہاتُ القرآن۔ 3۔العطایا الوھبیہ شرح المقدمۃ الجزریہ۔ 4۔تنویر شرح تیسیر۔5۔تکثیرُ النفع فی القراءات السبع۔6۔تکمیلُ الأجر فی القراءات العشر۔7۔ہدایۃُ الرحیم۔8۔المہذّبۃ فی وجوہ الطیبۃ۔ 9۔المرآۃ النیرہ فی حلّ الطیبۃ۔ 10۔رسائلِ قراءاتِ عشرہ۔ 11۔الخط العثمانی فی رسمِ قرآنی۔12۔تاج المصاحف۔13۔اَلْفَوَائِدُ الْمُعْتَبَر (یہ منظوم صورت میں ہے اور پانچ سو بہتر (572) اشعار پر مشتمل ہے۔اس نظم میں قراءاتِ عشرہ کے بعد آنے والی چار شاذ قراءات بی یعنی قراءۃ ابنِ محیصن مکی، قراءۃ اعمش،

قراءۃ حسن بصری اور قراءۃ یحییٰ بصری کو ذکر فرمایا۔ اس منظوم کتاب کا ترجمہ اور شرح بھی ہو چکی ہے)

ان تمام کتب کی تصنیف و تالیف حضرت رحمہ اللہ نے درسگاہ کے اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں فرمائی۔ درسگاہ کا وقت آپ مکمل طور پر طلبہ کے لیے وقف رکھتے تھے، اور اس دوران تدریس کے سوا کسی اور مشغلے کو جگہ نہ دیتے تھے۔

وقت کی قدردانی اور درسگاہ کا تقدس: حضرت رحمہ اللہ وقت کے غیر معمولی قدردان تھے۔ اگرچہ طبیعتاً نہایت ملنسار اور خوش اخلاق تھے، مگر درسگاہ کے اوقات کو وہ طلبہ کی امانت سمجھتے تھے۔ آپ کے نزدیک تعلیم وتدریس کا وقت ایک مقدس ذمہ داری تھا، جس میں کسی قسم کی کوتاہی آپ گوارا نہیں فرماتے تھے۔ اس حقیقت کا احساس نہ صرف طلبہ بلکہ ہم عصر علماء اور اکابر اہلِ علم کو بھی بخوبی تھا۔ چنانچہ جب اکابر علماء کرام زیارت و ملاقات کے لیے تشریف لاتے تو وہ مناسب وقت کے بعد خود ہی رخصت ہو جایا کرتے تھے، تاکہ طلبہ کی تعلیم میں خلل نہ آئے اور حضرت رحمہ اللہ اپنے تعلیمی مشاغل پوری یکسوئی کے ساتھ جاری رکھ سکیں۔ یوں یہ طرزِ عمل ہرگز بے رخی پر محمول نہ تھا بلکہ علم، وقت اور ذمہ داری کے تقدس کا عملی اظہار تھا، جسے سبھی حضرات قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

رمضان المبارک کے معمولات اور ایک چشم دید واقعہ: رمضان المبارک کی روحانی رونق حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ہاں دیدنی ہوا کرتی تھی۔ اس بابرکت مہینے میں پورے شہر کے اکثر فضلاء اور مختلف مدارس کے حفظ کے طلبہ نمازِ تراویح کے بعد تین تین پارے منزل حضرت مجدد قراءات رحمہ اللہ کی مسجد سراجاں حسین گاہی میں آ کر سنایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ تقریباً رات 12-1 بجے تک چلتا رہتا۔ طریقۂ کار یہ ہوتا کہ طلبہ کی دو دو افراد پر مشتمل جوڑیاں بنائی جاتیں، جو نوافل میں ایک دوسرے کو تین تین پارے سنا لیا کرتے تھے۔ اس عظیم قرآنی اجتماع کی نگرانی حضرت مولانا قاری محمد امیر رحمہ اللہ ملتانی، حضرت مولانا قاری عبداللطیف ملتانی، حضرت مولانا صاحبزادہ قاری محمد عبید اللہ رحیمی اور حضرت حافظ جی محمد اسحاق صاحب ملتانی فرمایا کرتے تھے۔ یہ حضرات مسلسل گھوم پھر کر طلبہ کی قراءت سنتے رہتے، جبکہ حضرت مجدد قراءات رحمہ اللہ پیچھے تشریف فرما ہو کر نہایت توجہ کے ساتھ پڑھنے والے طلبہ پر نگاہ رکھے ہوتے تھے۔

انہی بابرکت ایام میں راقم نے ایک یادگار واقعہ دیکھا۔ مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، جو کہ اس وقت وزیر اعلیٰ کے منصب پر فائز تھے، عشاء کے بعد کافی تاخیر سے پوری شان و شوکت اور سیکیورٹی کے ساتھ مسجد سراجاں میں حضرت مجدد قراءات رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ تاہم حضرت کے احترام میں تمام سرکاری پروٹوکول مسجد سے باہر روڈ پر ہی روک دیا اور مفتی صاحب رحمہ اللہ تنہا اندر تشریف لائے۔ آپؒ حضرت

قاری صاحب رحمہ اللہ کے سامنے آ کر تشریف فرما ہوئے اور نہایت آہستگی، محبت اور ادب کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد، حضرت کے معمولات اور تعلیمی مصروفیات کے احترام میں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے اپنے معمولات کی رعایت سے نہایت محبت اور ادب کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر رخصت فرمایا، جسے حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ نے قدر و احترام کے ساتھ قبول کرتے ہوئے اجازت لی اور رخصت ہو گئے، تاکہ حضرت کے معمولات متاثر نہ ہوں۔

<u>نظامِ کفالت وتربیت:</u> حضرت رحمہ اللہ طلبہ کے لیے نہایت شفیق اور مہربان تھے۔ جو طلبہ مالی اعتبار سے ضرورت مند ہوتے، ان کے لیے حضرت نے باقاعدہ ماہانہ وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ بعض ایسے ساتھی جو شادی شدہ تھے، ان کے لیے ایک مدرس کی تنخواہ کے برابر ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا جاتا، تاکہ وہ معاشی فکروں سے آزاد ہو کر یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کر سکیں۔ حضرت رحمہ اللہ کی شفقت و اخلاص کا عالم یہ تھا کہ وہ طلبہ کے حق میں ماں باپ سے بڑھ کر خیر خواہ نظر آتے تھے۔ ہر طالب علم کی استعداد، کمزوری اور ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے، اور آپ کی یہ دلی خواہش ہوتی تھی کہ کمزور سے کمزور طالب علم بھی علم کی دولت سے بہرہ مند ہو کر کامیابی کے ساتھ آگے بڑھے۔ اسی اخلاص، علمی وقار اور روحانی نسبت کا اثر تھا کہ نہایت اعلیٰ استعداد کے حامل فاضل علماء کرام بھی حضرت کی کلاس میں داخلہ کو اپنے لیے بڑی سعادت اور اعزاز سمجھتے تھے، اور اسے اپنے علمی سفر کا ایک قیمتی مرحلہ خیال کرتے تھے۔ سال کے اختتام پر حضرت رحمہ اللہ کا معمول یہ ہوتا تھا کہ آپ نہایت تواضع اور شفقت کے ساتھ ارشاد فرماتے:

''ہم نے پورا سال اکٹھے گزارا ہے، اگر میری طرف سے آپ کے حقوق یا خدمت میں کسی قسم کی کوئی کمی یا کوتاہی رہ گئی ہو تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مجھے معاف فرما دینا۔''

<u>حضرت مجدد رحمہ اللہ کے فیض یافتہ شاگرد اور ان کی دینی خدمات:</u> حضرت مجدد رحمہ اللہ کی تربیت اور علمی فیضان کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے شاگردوں سے فراغت کے بعد قرآن مجید و دینِ اسلام کی عظیم اور ہمہ جہت خدمت لی۔ آپ کے تلامذہ میں اللہ کے فضل و کرم سے ایسے اکابر پیدا ہوئے جنہوں نے علومِ قرآن، حدیث، قراءات اور تصوف کے میدان میں نمایاں مقام حاصل کیا اور امت کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

راقم بحیثیتِ ایک ادنیٰ شاگرد: انہی مبارک شاگردوں کی فہرست میں راقمِ سطور بھی ایک ادنیٰ اور ناچیز شاگرد کی حیثیت سے شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محض فضل و احسان سے فراغت کو اب تک تقریباً سینتالیس (47) سال گزر چکے ہیں، اور اس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی خدمت سے وابستہ رکھا ہے۔ الحمدللہ، اس دوران سینکڑوں

حفاظ، قراء اور علماء تیار ہوئے، جو ملک کے اندر اور بیرونِ ملک قرآنِ کریم اور دینِ اسلام کی خدمت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

یہ سب کچھ کسی ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ سراسر اساتذۂ کرام کی دعاؤں، توجہات اور اخلاص کی برکت ہے۔ اس میں سب سے بڑا حصہ حضرت مجدِ قراءات رحمہ اللہ، پھر استاذِ محترم حضرت مولانا قاری محمد امیر رحمہ اللہ، اس کے بعد حضرت مولانا عبدالعلیم قاسمی رحمہ اللہ، حضرت مولانا صاحبزادہ سعید الرحمن احمد رحمہ اللہ، اور پیکرِ اخلاص بھائی دلشاد حسین صاحب (غالب مارکیٹ، لاہور) کی دعاؤں اور تعاون کا ثمر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تیرہ برس دارالعلوم حنفیہ، گلبرگ لاہور میں، اور اس کے بعد تادمِ تحریر جامعہ رحیمیہ رحمۃٌ للعالمین، مانا نوالہ سٹاپ بیدیاں روڈ، لاہور کینٹ میں قرآنِ کریم کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قلیل خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، کوتاہیوں سے درگزر فرمائے، اور زندگی کے آخری لمحے تک قرآنِ کریم کی خدمت سے وابستہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام، متعلقین اور معاون احباب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

حرفِ آخر: بلاشبہ تمام کتابوں میں سب سے عظیم کتاب قرآنِ مجید ہے اور تمام علوم میں سب سے عظیم اور برتر علم علمِ قراءت ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کا براہِ راست تعلق قرآنِ کریم سے ہے۔ اسی نسبت سے علمِ قراءات کو علومِ اسلامیہ میں ایک خاص امتیاز اور بلند مقام حاصل ہے، کیونکہ یہ علم براہِ راست قرآنِ مجید کی تلاوت، ادائیگی اور اس کی صحیح قراءت سے وابستہ ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اس مقدس اور عظیم علم کو منظم انداز میں فروغ دینے اور اسے ایک باقاعدہ تعلیمی روایت کی شکل دینے والی ممتاز علمی شخصیت مجددِ قراءت حضرت مولانا قاری رحیم بخشؒ بن چوہدری فتح محمد رحمہ اللہ ہیں۔ آپ کی ولادت رجب المرجب 1341ھ مطابق 1922ء ضلع کرنال کے محلہ چوڑا کنواں (ہندوستان) میں ہوئی۔ کم عمری ہی میں والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا، جس کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کی بھرپور ذمہ داری ادا فرمائی۔

آپ فطری طور پر نہایت ذہین اور استعداد کے حامل تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کم عمری میں ہی شیخ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ سے قرآنِ مجید حفظ کر لیا۔ بعد ازاں اعلیٰ دینی علوم کے حصول کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں آپ نے وقت کے جلیل القدر اور جبالِ علم اساتذہ کرام سے بھرپور استفادہ کیا اور علمی پختگی حاصل کی۔

جب آپ نے علمِ قراءات کے احیاء اور فروغ کا بیڑا اٹھایا تو اس وقت برصغیر میں یہ علم نہایت محدود دائرے میں تھا۔ اکثر اہلِ علم فقہ، تفسیر اور دیگر علوم پر توجہ دیتے تھے، جبکہ علمِ قراءات سے عمومی طور پر بے اعتنائی پائی جاتی تھی۔

ایسے وقت میں آپ نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا کہ اس عظیم علم کو زندہ کیا جائے اور اسے عام فہم، منظم اور تدریسی انداز میں پیش کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے آپ نے نہ صرف عربی علمی ذخائر کو اردو قالب میں ڈھالا بلکہ قراءات کی تعلیم کے لیے باقاعدہ نصابی کتب تصنیف فرمائیں، اور حفظ کے بعد قراءات کی عملی مشق و تدریس کا منظم نظام قائم کیا۔ یوں آپ نے برصغیر میں علمِ قراءات کو نئی زندگی عطا کی اور اسے ایک مستقل علمی شعبہ کے طور پر متعارف کروایا۔ تقریباً چالیس سالہ تدریسی و تحقیقی خدمات کے بعد یہ درخشاں آفتاب 12 ذی الحجہ 1402ھ مطابق 29 ستمبر 1982ء کو اپنے علمی افق پر غروب ہوا۔ آپ کی تدفین خیر المدارس، ملتان میں ہوئی۔ آپ کی ذات کو اہلِ علم نے بجا طور پر علمِ قراءات کا مجدد قرار دیا۔

یہ چند سطور اور یادیں محض تذکرہ یا شخصی تاثرات کے طور پر نہیں، بلکہ اس نیت سے جمع کی گئی ہیں کہ اہلِ علم، بالخصوص علماء اور طلبہ کے لیے ایک زندہ نمونۂ عمل بن سکیں۔ حضرت کی حیاتِ طیبہ میں حضرت کی علمی محنت، عملی تقویٰ، تربیتی بصیرت اور خدمتِ قرآن کا وہ اسلوب جھلکتا ہے جو ہر دور میں رہنمائی کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے، خصوصاً مدرسین کے لئے۔

جو حضرات شیخُ القرّاء حضرت مولانا قاری محمد فتح محمد پانی پتی رحمہ اللہ اور مجددِ قراءات حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتیؒ کی خدمات کا تفصیلی اور مستند مطالعہ کرنا چاہتے ہوں، ان کے لیے نہایت قیمتی علمی سرمایہ تذکرۃ الشیخین ہے، جسے ادارہ تالیفات اشرفیہ (ملتان) نے شائع کیا ہے، اور الحمدللہ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ قرآن مجید کی محبت و ذوق کو جلا بخشتا اور اکابر کے منہج سے حقیقی وابستگی پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت مجددِ قراءاتؒ کے نقشِ قدم پر چلنے، خلوص کے ساتھ قرآنِ کریم کی خدمت کرنے، اور دینِ اسلام کی اشاعت و حفاظت کے لیے قبولیت والی محنت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

چمن وقلعہ عبداللہ کے اربابِ مدارس کا اجلاس

مولانا سید عبدالرحیم الحسینی

کچھ عرصے سے پورا بلوچستان ناامنی اور بے چینی کا شکار ہوتا آ رہا ہے جہاں عام مسلمانوں کے مال اور جان سے کھیلا جا رہا ہے، کوئی باشندہ اپنے آپ کو، اور اپنے مال کو محفوظ نہیں سمجھتا اور کسی وقت ان پر ڈاکہ ڈالنے کو خوف وخطر غالب رہتا ہے اسی طرح بلوچستان کے طول وعرض میں مدارس وجامعات بھی اس ناامنی کے زد میں ہیں اور اربابِ مدارس اپنے طلبہ کی حفاظت اور ان پر نگرانی اپنے فرض سمجھتے ہوئے مختلف حفاظتی انتظامات کرتے رہتے ہیں اور اپنے طلبہ کو مختلف اوقات میں بااحتیاط رہنے کی ہدایات جاری کرتے رہتے ہیں تاکہ یہ سپردہ امانت محفوظ ہو۔

ساتھ ہی ہر علاقے کے انتظامیہ کی طرف سے بھی مدارس سے غیر قانونی معلومات مانگنا (وہ بھی نازیبا طریقے سے) بھی ایک عادت بنتی جا رہی ہے اور مدارس کو بند کرنا اور بند کرنے کی دھمکی دینا بھی روز کی بات ہے۔

اسی صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے اور وفاق کے مجلس عاملے کے تازہ فیصلوں پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کیلئے صوبہ بلوچستان کے ناظم حضرت مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (مہتمم جامعہ دارالعلوم چمن) نے بروزِ دوشنبہ 26 صفر 1448 بمطابق 10 اگست 2026 بمقام جامع مسجد جامعہ دارالعلوم چمن ہنگامی طور پر اپنے علاقے (چمن اور قلعہ عبداللہ) کے اربابِ مدارس وجامعات کا ایک اہم اجلاس بلایا، چنانچہ حضرت ناظم صاحب کی دعوت پر مہتممین نے حاضری یقینی بنائی اور اجلاس کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

چنانچہ حافظ احمد خلیل صاحب (استاد دارالعلوم چمن) کی تلاوت سے اجلاس کا پُر وقار شروع ہوا اس کے بعد حضرت ناظمِ بلوچستان نے اجلاس کا مقصد وغرض بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: آپ حضرات کو اس لئے تکلیف دی گئی تاکہ:

1- گزشتہ اجلاس میں جو فیصلے ہوئے تھے آپ حضرات نے ان پر عمل درآمد میں جس اخلاص اور محنت کا مظاہرہ کیا تھا اس پر مبارک باد دینا مقصود ہے۔

2- مدارس کے ساتھ انتظامیہ کا موجودہ غیر مناسب رویے پر بات کرنا بھی پیشِ نظر ہے۔

3- پولیو والوں کا مدارس سے معلومات حاصل کرنا چونکہ غیر آئینی ہے اس کو بھی شاملِ بحث بنایا گیا ہے۔

4- وفاق المدارس کے امتحانات میں اصولِ وفاق اور ہدایاتِ اکابرین پر پورا عمل کیسے ہو۔ اس پر بھی آپ

حضرات کے مشورے چاہئے۔

حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ان عنوانات پر شرکاء سے نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔اس کے بعد شرکاء سے تجاویز بھی مانگی گئیں، کئی حضرات نے اپنی اپنی تجاویز بڑے جرأت کے ساتھ پیش کیں۔اور اجلاس میں مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:

1- انتظامیہ آئین ودستور کے مطابق معلومات حاصل کریں بے جا اہلِ مدارس کو تنگ نہ کریں اور نہ عمق کے ساتھ معلومات حاصل ہونے کی کوشش کریں اور اہلِ مدارس کو ہدایات دی گئی کہ اجمالی معلومات دینے میں کوئی حرج نہیں اور ساتھ ہی یہ کوشش جاری رہے گی کہ ہمارے علاقے میں جن جن مدارس کا الحاق ابھی تک نہیں ہوا ہے ان کو الحاق کرنے کیلئے تیار کرنے کی کوشش کر لیے جائیں۔

2- پولیو کے ہم منکر نہیں اور ساتھ یہ ہمارے کام بھی نہیں، پولیو والوں سے کہہ دیا جائے کہ بچوں کو گھر کے اندر ہی قطرات پلائے جائیں، مدارس میں آنے کی زحمت نہ فرمایا جائے۔

3- وفاق المدراس کے سالانہ امتحانات کے بارے میں درج ذیل باتیں طے ہوئیں:

مدارس اس بات کا مکلف بنایا جائے کہ جس مرحلے تک ان کا الحاق ہے اس مرحلے کے اساتذہ نگرانی کیلئے مہیا کیے جائیں، تاکہ امتحان صحیح طریقے سے لیا جائے، اور ماہنامہ وفاق المدارس کا مطالعہ کرنے کی تأکید کی گئی اور ساتھ مجلسِ عاملے کے فیصلہ پر سو فیصد عمل کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے، اور وفاق کی نگرانی میں شفافیت اور متبادل کے راستہ کو مکمل طور روکنے کیلئے زور دیا گیا یہ مجلس دعا پر ختم ہوا۔اس کے بعد حضرت مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب مہتمم دارالعلوم چمن کی درخواست پر تمام شرکاء سے درخواست کی گئی کہ جامعے کے احاطے کے اندر نئے دارالاقامہ کا افتتاح ان آنے والوں کی دست مبارک سے ہوں، چنانچہ تمام شرکاء نے اس نئے دارالاقامے کا افتتاح کیا اور دعا ہوا۔آخر میں حضرت ناظمِ وفاق (بلوچستان) دامت برکاتہم العالیہ نے تمام شرکاء کو ظہرانہ دیا۔

کارگزاری تدریب المعلمین (بلوچستان)

اکابرین وفاق کے ہدایات کے مطابق 15 تا 17 ستمبر 2026 (منگل، بدھ، جمعرات) کو پانچ مضامین (اردو، ریاضی، انگلش، سائنس اور معاشرتی علوم) میں (بمقام جامعہ دارالعلوم چمن، ضلع چمن، بلوچستان) اور 19 ستمبر تا 22 (ہفتہ، اتوار، سموار، منگل) انہیں پانچ مضامین میں ایک اور کورس بمقام ادارۃ القرآن والعلوم، محمدی مسجد کوئٹہ، آفاق کے تین اساتذہ: (1)- جناب غضنفر صاحب (انگریزی اور سائنس کے مضامین کیلئے) 2- جناب

افضل صاحب (اردو اور معاشرتی علوم کے مضامین کیلئے) 3- جناب سدیس صاحب (ریاضی کے مضمون کیلئے)

کی نگرانی میں بڑے اشتیاق اور محنت کے ساتھ ان دو کورسوں کا انعقاد ہوا، چمن کی تدریب میں مجوّزہ تعداد سے شرکاء کی تعداد کافی بڑھی، پھر بھی کورس کنٹرول میں تھی۔ اور کوئٹہ کے کورس میں مجوّزہ تعداد تھی، زیادہ نہیں۔

الحمدللہ تعالیٰ! دونوں مراکز میں بڑے سلیقے، محنت اور نہایت شوق کے ساتھ شرکاء برابر شریک رہے اور مفوّضہ امور بجا لاتے رہے، اور کورس کے فوائد سے مستفید رہے۔ بہت سارے شرکاء سے بندہ نے فرداً فرداً رائے پوچھی، الحمدللہ سب نے کورس کو مفید قرار دیا، اور بعض شرکاء نے یہاں تک کہا: کہ اس جیسے تدریب کی تکرار ہونی چاہئے۔ بندہ کے رائے میں اس کورس کے مفید ہونے میں دو باتوں کا دخل ضرور ہے:

1- بندہ کو یہ معلوم ہوا کہ کورس کرانے والوں نے اپنے درس کے ساتھ ساتھ فن پڑھانے کی بھی درس دی (شاید اکثر شرکاء نے یہ محسوس کیا ہو، اور کچھ شرکاء حضرات نے بندہ کو زبانی بھی کہا) تجربہ کار مدرّسین سے یہ بات مخفی نہیں ہونی چاہئے کہ کتاب پڑھانے کے ساتھ اگر کوئی مدرس فن پڑھانے کو بھی ترجیح دے وہ کتنے اہم ہے، مجھے خوب یاد ہے کہ صفر 1426ھ میں بندہ کی دارالعلوم دیوبند میں حاضری ہوئی، اس وقت کے سب سے پختہ کار اور مجرّب استاذ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری قدّس اللہ سرّہ تھے بندہ کو ان کی زیارت ہوئی اور استفادے کا موقع بھی (الحمدللہ! بندہ کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حدیث کی تحریری اجازت نامہ بھی ملا، بندہ اگرچہ اس کا مستحق نہیں تھا اور نہ اب ہے) تو اس دوران حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ (صاحب ضیاء النجوم حاشیۃ سلّم العلوم) کے ایک زرین نصیحت ارشاد فرمائی کہ: جس سن میں مَیں فارغ ہوا تو میں نے حضرت علامہ استاذ محترم سے یہ کہا کہ: آئندہ سال بندہ کی تدریس کا ارادہ ہے ایک نصیحت ارشاد فرمادیجئے، حضرت علامہ رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ کہ کتاب کے بجائے فن پڑھانے کی کوشش کرتے رہیں، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں کہ حضرت استاذ کے اس نصیحت نے مجھے بہت فائدہ پہونچایا، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصنیفات (خصوصًا رحمۃ اللہ الواسعۃ، تحفۃ الألمعی اور تحفۃ القاری)، اگر کسی کو مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہو تو وہ بخوبی اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوگا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس نصیحت پر کتنا عمل کیا ہے۔ واقعی آج کل مدرسین عمومًا اس خوبی سے محروم نظر آرہے ہیں تو اس طرف توجہ ضروری ہے۔

2- ان حضرات نے کتاب پڑھانے کی بھی طُرُق تدریس بڑے مہارت کے ساتھ شرکاء کے سامنے رکھے اور ان سے سب مستفید رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے وفاق کے اکابرین کو جزائے خیر عافرمائے کہ ان کی کوششوں سے مدرّسین کو یہ فائدہ پہونچا۔ وأجرھم علی اللہ تعالیٰ۔

روداد اجلاس اتحادِ تنظیماتِ مدارس، خیبر پختونخوا

مفتی سراج الحسن

مورخہ 09 اگست 2026، بروز اتوار اتحادِ تنظیماتِ مدارس، خیبر پختونخوا کا ایک اہم اجلاس جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ، مسجد درویش، پشاور صدر میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ، صوبائی صدر اتحادِ تنظیماتِ مدارس خیبر پختونخوا کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔

ایجنڈا اجلاس: اجلاس کا بنیادی ایجنڈا ضلع خیبر کی وادیٔ تیراہ اور دیگر ضم شدہ اضلاع میں جاری آپریشنز کے دوران مساجد و مدارس کے تحفظ کے حوالے سے مشترکہ لائحۂ عمل اور یکساں موقف اختیار کرنا تھا۔ چنانچہ اجلاس میں دینی مدارس کے پانچوں بڑے بورڈز، وفاق المدارس العربیہ پاکستان، وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان، رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان، تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان اور وفاق المدارس الشیعہ پاکستان کے ذمہ داران نے شرکت کی۔ شرکائے اجلاس میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے علاوہ: وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی طرف سے مولانا سید عبدالبصیر شاہ صاحب، رکنِ عاملہ وفاق المدارس، حافظ محمد داؤد فقیر صاحب، مسئول شعبۂ حفظ ضلع پشاور، اور مولانا نذر محمد صاحب، معاون مسئول ضلع خیبر نے شرکت کی۔ وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان کی طرف سے صوبائی مسئول مولانا عمر بن عبدالعزیز اور مولانا حزب اللہ مخبت صاحب شریک ہوئے۔ رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان کی طرف سے مولانا عطاء الرحمن صاحب نے شرکت کی۔ تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان کی طرف سے مولانا عبدالواجد صاحب شریک ہوئے۔ وفاق المدارس الشیعہ پاکستان کی طرف سے مولانا نذیر حسین مطہری صاحب اور مولانا عابد شاکری صاحب نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ جمعیت علماء اسلام ضلع خیبر کے امیر مولانا حضرت رحمن صاحب اور وادیٔ تیراہ کے دونوں متاثرہ مدارس کے مہتممین مدرسہ محمدیہ دور بی خیل قمبر خیل تیراہ کے مہتمم مولانا مسافر گل صاحب اور مولانا بلال احمد صاحب مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم درے چونے لوزکہ نے بھی خصوصی طور پر اجلاس میں شرکت کی۔

اجلاس کی کارروائی سب سے پہلے صوبائی صدر حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اجلاس میں شریک تمام ذمہ داران کا شکریہ ادا کیا اور اجلاس کا ایجنڈا واضح فرمایا۔ بعدازاں ایجنڈے کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کی گئی۔ اس موقع پر وادیٔ تیراہ کے دونوں متاثرہ مدارس کے مہتممین نے اپنے اپنے مدارس کو پیش آنے

والے حالات اور مشکلات کے حوالے سے تفصیلی روداد زبانی طور پر شرکائے اجلاس کے سامنے پیش کی، جس کے بعد شرکائے اجلاس نے صورتحال کا تفصیلی جائزہ لیا اور باہمی مشاورت سے آئندہ کے لائحۂ عمل پر غور کیا۔

مساجد و مدارس کے تحفظ پر اتفاق: اجلاس میں ضلع خیبر کی وادیٔ تیراہ، ضلع اورکزئی اور دیگر آپریشن زدہ علاقوں میں مساجد و مدارس کی عمارتوں کے مکمل تحفظ پر خصوصی زور دیا گیا۔ تمام شرکائے اجلاس نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مساجد و مدارس کی حرمت، تقدس اور تحفظ ہمارا ایک نکاتی ایجنڈا ہے اور اس حوالے سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔ اجلاس میں اس امر پر بھی زور دیا گیا کہ آپریشنز کے دوران مساجد و مدارس اور ان سے وابستہ دینی و تعلیمی سرگرمیوں کو حتی الامکان محفوظ رکھا جائے اور متاثرہ مدارس کے مسائل کو متعلقہ حکام کے سامنے مؤثر انداز میں پیش کیا جائے۔ مشترکہ پریس کانفرنس اجلاس میں باہمی مشاورت کے بعد مشترکہ لائحۂ عمل اور اعلامیہ طے کیا گیا۔

اجلاس کے اختتام پر صوبائی صدر حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اتحادِ تنظیماتِ مدارس کے تمام ذمہ داران کے ہمراہ مشترکہ پریس کانفرنس کی۔ پریس کانفرنس میں اجلاس کے فیصلوں، مساجد و مدارس کے تحفظ اور آپریشن زدہ علاقوں میں دینی اداروں کو درپیش مسائل کے حوالے سے اتحادِ تنظیماتِ مدارس کا مشترکہ موقف پیش کیا گیا، جسے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے بھرپور کوریج دی۔ پریس کانفرنس میں پیش کیے گئے مشترکہ اعلامیے اور اہم نکات افادۂ عام کے لیے پیشِ خدمت ہیں:

دینی مدارس اور دہشت گردی دینی مدارس امن وسلامتی کے مراکز ہیں۔ شدت پسندی اور دہشت گردی سے جوڑنا انتہائی افسوس ناک اور بیمار ذہنیت کی عکاسی ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں مدارس اور علماء کا موقف بالکل واضح ہے: ہم بلاتفریق دہشت گردی کے خلاف ہیں، خواہ وہ کوئی بھی کرے اور کہیں بھی کرے۔ دہشت گردی اور علماء کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے متعدد جید علماء خود دہشت گردی کا نشانہ بن چکے ہیں۔ دینی مدارس اور پاکستان ایک دوسرے سے گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ مدارس کی آزادی، خودمختاری اور حریتِ ہمارا بنیادی ایجنڈا ہے اور اسے ہر قیمت پر یقینی بنایا جائے گا۔ دینی مدارس امن کے علمبردار ہیں۔ مدارس کے خلاف ہر طرح کی سازش کو ناکام بنایا جائے گا۔ معاندانہ اور امتیازی رویے سے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ مزید پیچیدہ ہوں گے۔ دینی مدارس شرح خواندگی بڑھانے میں معاون ملک بھر میں ہزاروں دینی مدارس موجود ہیں جو اپنی مدد آپ کے تحت قوم کے بچوں اور بچیوں کو دینی و عصری تعلیم فراہم کر رہے ہیں۔ یہ ادارے شرحِ خواندگی میں اضافے، اخلاقی تربیت، دینی شعور اور معاشرے میں امن کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اتحاد تنظیماتِ مدارس کے تحت چلنے والے مدارس میں اس وقت 40 لاکھ سے زائد طلبہ وطالبات تعلیم مفت تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جبکہ

لاکھوں طلبہ وطالبات یہاں سے فارغ التحصیل ہوکر معاشرے میں علم، امن اور خیر کے داعی بن چکے ہیں۔ صرف وفاق المدارس العربیہ پاکستان ہر سال ایک لاکھ سے زائد قرآن کے حافظ تیار کررہے ہیں۔ جو عالمی ریکارڈ اور پاکستان کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ تاہم اس سب کچھ کے باوجود بالخصوص ملک بھر میں دینی مدارس کو متعدد مسائل ومشکلات کا سامنا ہے۔ جبکہ خیبر پختونخوا میں مدارس کو بعض خصوصی نوعیت کے مسائل اور مشکلات بھی درپیش ہیں:

1۔ مدارس کی رجسٹریشن مدارس سے رجسٹریشن کا مطالبہ کیا جارہا ہے، لیکن رجسٹریشن کے عمل میں خود حکومتی سطح پر رکاوٹیں موجود ہیں۔ 26ویں آئینی ترمیم کے بعد سوسائٹیز ایکٹ کے تحت مدارس کی رجسٹریشن کا راستہ موجود ہے، اور اس ضمن میں مدارس کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ وفاقی وزارت تعلیم کے ساتھ رجسٹر ہوں یا سوسائیٹیز ایکٹ کے تحت اپنی رجسٹریشن کروائیں تاہم سوسائیٹیز ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کے عمل میں رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں۔ اور تاحال صوبوں میں اس حوالے سے کوئی قانون سازی نہیں کی گئی۔ وزارتِ تعلیم کے تحت رجسٹریشن کو اتحاد تنظیماتِ مدارس پہلے بھی مسترد کرچکا ہے اور آئندہ بھی مسترد کریں گے۔ لہذا ہمارا مطالبہ ہے کہ 26ویں آئینی ترمیم کے بعد خیبر پختونخوا میں فوری طور پر ضروری قانون سازی کی جائے۔ وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا جناب سہیل آفریدی صاحب نے قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے ملاقات کے دوران مدارس کی رجسٹریشن کے لیے قانون سازی کا اعلان کیا تھا، لیکن تاحال اس حوالے سے عملی پیش رفت نہیں ہوئی۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ وزیراعلیٰ اپنے اعلان کو فوری طور پر عملی جامہ پہنائیں اور رجسٹریشن کے حوالے سے مزید رکاوٹیں پیدا کرنے کے بجائے مسئلے کو مستقل بنیادوں پر حل کریں۔

2۔ مدارس کے بینک اکاؤنٹس متعدد مدارس کے بینک اکاؤنٹس منجمد ہیں اور نئے اکاؤنٹس کھولنے میں بھی رکاوٹیں پیدا کی جارہی ہیں، جبکہ دوسری جانب مدارس سے آڈٹ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ جب بینک اکاؤنٹس ہی فعال نہ ہوں تو مالی معاملات اور آڈٹ کا عمل کیسے مکمل ہوگا؟ لہٰذا مدارس کے بینک اکاؤنٹس کا مسئلہ فوری طور پر حل کیا جائے اور منجمد اکاؤنٹس بحال کیے جائیں۔

3۔ ڈیٹا کلیکشن اور کوائف طلبی مختلف سرکاری اداروں کے اہلکار الگ الگ فارم لے کر مدارس میں جاتے ہیں اور مختلف نوعیت کی معلومات طلب کرتے ہیں، جس سے مدارس کو مشکلات کا سامنا ہے۔ لہٰذا اس طریقۂ کار کو ختم کرکے مدارس کے کوائف کے لیے ون ونڈو سسٹم متعارف کرایا جائے تاکہ ایک ہی جگہ تمام مطلوبہ معلومات فراہم کی جاسکیں۔ اور کوائف طلبی کے نام پر مدارس کو تنگ نہ کیا جائے۔

4۔ بند مساجد و مدارس کی بحالی ضلع خیبر، اورکزئی، وزیرستان، باجوڑ اور دیگر اضلاع میں متعدد مدارس و مساجد مختلف وجوہات اور آپریشنز کے باعث بند ہیں، جس سے تعلیم و عبادت کا سلسلہ متاثر ہو رہا ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ تمام بند مساجد و مدارس کو فوری طور پر کھولا جائے اور متعلقہ اداروں کو ضروری ہدایات جاری کی جائیں تاکہ وہاں دوبارہ تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہو سکے۔

5۔ آپریشن زدہ علاقوں میں مساجد و مدارس کا تحفظ جن علاقوں میں آپریشن جاری ہے، وہاں مدارس اور مساجد کی عمارتوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے۔ محض شکوک و شبہات کی بنیاد پر مساجد و مدارس کو مسمار کرنا یا دھماکوں کے ذریعے نقصان پہنچانا کسی صورت قابلِ قبول نہیں۔ جب علاقے کے لوگوں کو پہلے ہی نقل مکانی پر مجبور کر کے علاقہ خالی کرا لیا گیا ہو، وہاں نہ کوئی مہتمم موجود ہو، نہ ناظم، نہ طلبہ اور نہ نمازی، اور مساجد و مدارس مکمل طور پر خالی ہوں، تو ایسے حالات میں خالی مساجد و مدارس کو نشانہ بنانا اور ان کی عمارتوں کو نقصان پہنچانا سمجھ سے بالاتر ہے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق ضلع خیبر کی وادیٔ تیراہ اور اورکزئی میں بعض خالی مساجد و مدارس کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔ یہ عمارتیں کسی سرکاری خزانے سے نہیں بلکہ عوام کے چندوں اور عطیات سے تعمیر کی جاتی ہیں۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ مساجد و مدارس کو ہر حال میں تحفظ فراہم کیا جائے، ان کی حرمت اور تقدس کا خیال رکھا جائے اور جن مساجد و مدارس کو نقصان پہنچا ہے، ان کی ازسرِ نو تعمیر و بحالی کا مؤثر انتظام کیا جائے۔ ایسے اقدامات جو عوام کے مذہبی جذبات کو مجروح کریں اور ریاست و عوام کے درمیان بداعتمادی پیدا کریں، ان سے ہر صورت گریز کیا جائے۔

6۔ مدارس کے ساتھ امتیازی رویہ ختم کیا جائے ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مدارس میں کوئی نوگو ایریا نہیں۔ ریاستی ادارے اور متعلقہ حکام قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مدارس کا دورہ کر سکتے ہیں اور ضروری معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ تاہم اس کے لیے ایک منظم، باوقار اور باہمی اعتماد پر مبنی طریقۂ کار اختیار کیا جائے۔ آج دینی مدارس کو بعض مقامات پر بدترین امتیازی رویوں کا سامنا ہے۔ مزید امتیازی اور توہین آمیز سلوک کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔

7۔ متاثرہ مساجد و مدارس کی ازسرِ نو تعمیر وادیٔ تیراہ اور دیگر ضم اضلاع میں آپریشنز کے دوران جن مساجد و مدارس کو نقصان پہنچایا مسمار کیا گیا، ان کی ازسرِ نو تعمیر و بحالی کا مؤثر انتظام کیا جائے تاکہ وہاں دوبارہ تعلیم، تدریس اور عبادت کا سلسلہ شروع ہو سکے۔ ایسے اقدامات سے منفی پروپیگنڈے کا راستہ بھی روکا جا سکے گا۔ ایک طرف حکومت ضم شدہ اضلاع میں اقلیتی عبادت گاہوں کی تعمیر و مرمت کے لیے خطیر فنڈز جاری کرتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف مساجد و مدارس کو بلا جواز نشانہ بنایا جا رہا ہے ہم ایسے امتیازی رویے کو ناقابل قبول سمجھتے ہیں اور مطالبہ کرتے

ہیں کہ مساجد و مدارس کی بحالی کے لیے بھی فوری اور مؤثر اقدامات کیے جائیں۔ مدارس اور ریاست کا تعلق ملک اس وقت متعدد مسائل سے دوچار ہے۔ اسے اتحاد، امن اور اتفاق کی ضرورت ہے، ایسے اقدامات کی نہیں جو نفرت اور دوریاں پیدا کریں۔

ہم اس ملک کے وفادار اور برابر کے شہری ہیں۔ ملک بھر کے دینی مدارس آئین و قانون کی بالادستی پر یقین رکھتے ہیں اور ریاستی اداروں کا احترام کرتے ہیں۔ علماء اور دینی مدارس نے اس ملک کے لیے بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ ہم ریاست اور اس کے تمام اداروں کو عزت، قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ ریاست بھی مدارس اور علماء کو اعتماد اور احترام کی نگاہ سے دیکھے گی۔

ریاست اور مدارس کے درمیان اعتماد مضبوط ہوگا تو ملک مضبوط ہوگا۔ بلاجواز پابندیاں، یکطرفہ اقدامات اور بداعتمادی کسی کے مفاد میں نہیں۔ ایسے اقدامات سے گریز کیا جائے جن سے ریاست اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھیں۔ ہم امن کے داعی ہیں، آئین و قانون کی بالادستی پر یقین رکھتے ہیں اور دہشت گردی کی ہر شکل کی بلاتفریق مخالفت کرتے ہیں۔ مدارس کو شک اور تعصب کی نہیں، اعتماد، تعاون اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

اساتذہ حفظ و ناظرہ کے لیے تدریبات

مولانا فضل حکیم عزیزی، مسؤل وفاق المدارس شعبہ تحفیظ ضلع بونیر

الحمدللہ! حضرت مولانا قاری محب اللہ صاحب (معاون ناظم ملاکنڈ ڈویژن) کے حکم پر اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مسؤل شعبہ کتب بنین۔ اور قاری صدیق رحیم صاحب کی مشاورت و معاونت سے بونیر میں تدریبات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس کے تحت مورخہ 7۔۔ اگست 2026 ایک پروگرام منعقد ہوا۔ جس میں علاقہ سالارزئی اور گدیزی سے تقریبا 65 مدرسین نے شرکت کی۔ مدرب قاری صدیق رحیم صاحب نے بہترین انداز میں اساتذہ کو طریقہ تعلیم پر روشنی ڈالی۔ دوسرا پروگرام مورخہ 3 ستمبر 2026 بروز جمعرات بمقام مفتی محمود مرکز باجکٹہ میں منعقد ہوا۔ الحمدللہ۔ تحصیل گاگرہ۔ تحصیل ڈگر۔ اور تحصیل چغرزی سے تقریبا 125 اساتذہ نے شرکت فرما کر پروگرام کو رونق بخشی۔

پروگرام کا آغاز: پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ ابتدائی کلمات ڈسٹرکٹ خطیب حضرت مولانا حمید الرحمان صاحب نے پیش کیے۔ آپ نے حاضرین کو خوش آمدید کہا اور اس نشست کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔

اہم خطاب: اس کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد قاسم صاحب۔ مسؤل وفاق المدارس ضلع بونیر نے خطاب

فرماتے ہوئے قرآن وحدیث کی تعلیم وتربیت کے کام کی اہمیت پر مفصل گفتگو کی۔آپ نے فرمایا کہ اساتذہ کرام انبیاء کے وارث ہیں،اس لیے ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے۔

تربیتی لیکچر: تربیت کا فریضہ استاذ القراء قاری صدیق الرحیم صاحب دامت برکاتہم ، بٹ خیلہ نے سرانجام دیا۔ آپ نے نہایت شفقت اور مہارت کے ساتھ اساتذہ کرام کو قاعدہ، ناظرہ، حفظ اور تجوید پڑھانے کے بہترین طریقے سمجھائے۔اہم ہدایات:

1: شعبہ قاعدہ: طلبہ کی استعداد کے مطابق کلاسوں کو 3 حصوں میں تقسیم کیا جائے: ادنیٰ،متوسط اور اعلیٰ۔مہتمم صاحب کلاسوں کا وقتاً فوقتاً معائنہ فرمائیں۔

2: شعبہ حفظ: ہر طالب علم کا نیا سبق،سبقی اور منزل روزانہ لیا جائے۔ ہر پارہ کی تکمیل پر امتحان کے بعد ہی اگلا پارہ شروع کیا جائے۔ ہر طالب علم کے لیے استعداد کے مطابق وقت کا تعین کیا جائے۔

3: شعبہ تجوید: تجوید کے طلبہ پر خصوصی توجہ دی جائے تاکہ قرآن کی صحیح ادائیگی ممکن ہو۔

اختتام: آخر میں بندہ فضل حکیم تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔اور خطیب صاحب نے دعائے خیر فرمائی۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مدرسہ کو ترقی دے اور تمام اساتذہ وطلبہ کی محنت کو قبول فرمائے،اللہ تعالیٰ تمام منتظمین، مدربین اور شرکاء کو اس خدمت کا بہترین اجر عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔اور ان شاءاللہ یہ سلسلہ جاری رہے۔

مزید دو تحصیلوں میں بھی اسی طرح تدریبات کر کے ضلعی سطح پر مدارس کو معیاری بنائیں گے،ان شاءاللہ!۔اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔آخر میں صوبائی ناظم حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے عظیم فکر نے ہمیں یہ احساس دلایا۔۔رب کریم انکے عمر علم میں برکت عطاء فرمائے۔اور انکے دست شفقت تادیر ہمارے سروں پر سایہ فگن ہو۔اور ساتھ ساتھ ضلع بونیر کے تمام ارباب مدارس واساتذہ کی مشکور ہیں جنہوں نے بروقت شرکت کر کے ہمارے حوصلوں کو چار چاند لگادے۔

تفریح الفؤاد بہ تشریح بانت سعاد

افادات: مولانا رضاء الحق مدظلہم، تشریح وترتیب: مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا عبداللہ امتیاز کارا۔

صفحات: ۴۱۰۔ طباعت: عمدہ، کارڈ کور۔ ملنے کا پتا: مکتبۃ الشیخین مین بازار گلاطے شاہ منصور۔ صوابی۔ رابطہ نمبر: 03009084775

حضرت مولانا رضاء الحق صاحب زید مجدہم صاحبِ علم وتحقیق شخصیت ہیں۔ جنوبی افریقہ کے دارالعلوم زکریا کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔ زیر نظر کتاب ''تفریح الفؤاد'' قصیدہ بانت سعاد کے ترجمہ وتشریح وتوضیح پر مشتمل ہے۔

قصیدہ بانت سعاد حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ حضرت کعب کا گھرانہ شعروادب کا گہوارہ تھا۔ آپ کے والد زہیر زمانہ جاہلیت کے سربرآوردہ شاعر تھے۔ کعب بھی نامور شاعر تھے۔ ظہور اسلام کے بعد جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لا چکے تھے۔ کعب کے بھائی بجیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی زبانِ اقدس سے اسلامی تعلیمات کو سنا اور شرفِ اسلام حاصل کیا۔ واپس جا کر کعب کو بتایا تو وہ بہت خفا ہوئے اور اسلام دشمنی میں اتنا آگے نکلے کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کو قتل کا سزاوار ٹھہرایا۔ قسمت نے پلٹا کھایا، بھائی بجیر رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی جس نے قسوۃِ قلب میں دراڑیں ڈالیں، بالآخر اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے پر آمادہ کیا۔ بالآخر مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے توسط سے خدمت نبوی میں پہنچے اور جان کی امان پائی۔ اس موقع پر جب کہ مسجد نبوی میں بہت سے کبار صحابہ موجود تھے؛ کعب نے دَست اقدس پر اسلام قبول کیا اور آپ کی خدمت میں ساٹھ اشعار پر مشتمل یہ لافانی قصیدہ سنایا۔ اس قصیدے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا، اور انعام کے طور پر اپنی رداء مبارکہ کعب بن زہیر کو عطا فرمائی۔ یہ قصیدہ اب ہمارے ادبی نصاب کا حصہ ہے۔ اسے پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے شعری محاسن پر کلام کیا جاتا ہے اور طلبہ کرام اپنی عربیت کو اس کے ذریعے مضبوط کرتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب زید مجدہم نے اپنی علمی وتحقیقی روایت کے مطابق اس کی شرح قلم بند کروائی ہے۔ یہ شرح اس لحاظ سے منفرد ہے کہ:

ہر لفظ کی نحوی، صرفی اور لغوی تحقیق کی گئی ہے، بلاغت کی تینوں اقسام معانی، بدیع، بیان کے اہم نکات سلیقے سے

پیش کیے گئے ہیں۔ اشعار میں موجود علمی نکات، اشارات، اور الفاظ کے انتخاب کی حکمت کو دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ قصیدہ میں مذکور اہم ابلاغی اصطلاحات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ آغاز میں حضرت مفتی صاحب زید مجدہم عربی شعر وادب پر شاندار مقدمہ بھی ہے۔ جب کہ تقریظ کے عنوان سے مولانا سجاد الحجابی کی معلومات سے بھرپور تعارفی تحریر بھی شامل ہے۔ شائقین علم وادب اور عربی ادب سے شغف رکھنے والے احباب کے لیے یہ شرح دُرّ نایاب ہے۔

تزیین الظرف بازھار قوانین الصرف

افادات: حضرت مولانا رضاء الحق مدظلہم۔ صفحات: 248۔ ملنے کا پتا: مکتبۃ الشیخین، شاہ منصور، صوابی، رابطہ نمبر: 0321986990

مولانا مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہم 1987ء میں جب ابتدائی مدرس کے طور پر دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ گئے تو وہاں ابتدائی درجات کے طلبہ کو صرف بھی پڑھاتے رہے۔ طلبہ اپنے اسباق کاپیوں پر منتقل کر لیتے تھے۔ یوں ''تمرین الصرف'' کے عنوان سے ایک مجموعہ تیار ہو گیا۔ جسے بعد ازاں ضروری ترمیم واضافے کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اردو میں ہے۔ آسان اور عام فہم اور طلبہ کی ذہنی استعداد کے مطابق ہے۔ ابتدائی درجات کے طلبہ واساتذہ کے لیے کافی مفید ہے

تذکرۃ الابرار

افادات: حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ۔ صفحات: 824۔ طباعت: مناسب۔ ملنے کا پتا: الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ۔ رابطہ نمبر 03007423383

امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ کی تالیفات وتصنیفات علم وتحقیق میں اپنی مثال آپ ہیں۔ حضرت امام اہل سنت کا ایک وصف یہ تھا کہ شخصیات کے سن وفات اور سن پیدائش کو قلم بند کر لیا کرتے تھے، اور اپنے دروس کے دوران جب کسی شخصیت کا تذکرہ آتا تو سن پیدائش اور سن وفات بھی ذکر کرتے۔ اس طرح کی معلومات سے شخصیت کے زمانے اور اس کے معاصرین کا تعین کرنا آسان ہوتا ہے۔

مولانا عبداللہ انیس صاحب نے نہایت جاں فشانی سے آپ کی تالیفات میں شخصیات کے حوالے سے بکھرے افادات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس مجموعہ میں انہوں نے ایک ہزار سے زائد صحابہ کرام، تابعین،

محدثین، مفسرین، اکابرِ امت اور نامور شخصیات کے اسمائے گرامی، سنِ وفات اور امتیازی تعارف کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس طرح حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے دُروس وخطبات اور تالیف سے کشید کردہ معلومات آفریں انسائیکلو پیڈیا تیار ہوگیا ہے۔

اصلاً یہ تین کتابوں کا مجموعہ ہے: (۱) تذکرۃ الصحابہ۔ (۲) تذکرۃ الاکابر۔ (۳) تذکرہ علماء دیوبند۔

''تذکرۃ الصحابہ'': جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ معروف صحابہ کرام کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ اس حصے کے سات باب ہیں۔ ''تذکرۃ الاکابر'': اس حصے میں حضرات تابعین، تبع تابعین، مجتہدین، مفسرین، محدثین کا مختصر اور جامع تعارف، بہ قیدِ سن ولادت وسنِ وفات شامل ہے۔ یہ حصہ بطور خاص ہمارے مدرسین اور طلبہ کی ضرورت کا ہے، کیونکہ اس مجموعے میں بہت سی نادر ونایاب معلوم آ گئی ہیں جو بسا اوقات دقیق مطالعے کے باوجود ہاتھ نہیں آتیں۔

تیسرا حصہ حضرات علماء دیوبند میں سے بعض چیدہ چنیدہ اکابر کا تذکرہ ہے جو بجائے خود لائق مطالعہ ہے۔

آزادی وطن اور اس کے مقاصد وتقاضے

مجموعہ مضامین: مولانا زاہد الراشدی۔ صفحات: 170۔ ملنے کا پتا: مکتبہ امام اہل سنت گوجرانوالہ۔ رابطہ نمبر 03024039711

زیر نظر کتابچہ حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہم کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جن میں تحریک آزادی، قیام پاکستان کے پس منظر، قومی سطح کی قیادت، آزادی کے بعد پیش آنے والے حالات وواقعات پر قلم اٹھایا گیا۔ حضرت راشدی زید مجدہم صاحب قلم بھی ہیں اور صاحب الرائے بھی ہیں۔ وُسعت نظر کے حامل ہیں۔ ان کی تحریر ہو یا تقریر اس سے کئی تاریخی واقعات وحوادث کی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ اس لیے کہ ان کی تحریر وتقریر میں محض نظری مباحث نہیں ہوتے بلکہ واقعات ومشاہدات کا افشردہ بھی ہوتا ہے۔ تاریخ آزادی پر ان کے مضامین سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ ہمارے نوفاضلان مدارس کے لیے بہت مفید ہے۔

الخیرات الاحسانیۃ

تالیف: مولانا قاری احسان اللہ احسان۔ صفحات: 120۔ طباعت: مناسب، کارڈ کور۔

ملنے کا پتا: جامع مسجد سیدنا علی المرتضیٰ ڈیرہ اسماعیل خان۔ رابطہ نمبر: 03342407013

یہ کتابچہ مقدمہ جزریہ کی عمدہ شرح ہے۔ اشعار کو نہایت عمدہ طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ اشعار کا ترجمہ، مشکل الفاظ کے معانی، ضروری حواشی وغیرہ دیے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ تجوید وقراءات کے طلبہ کے لیے مفید ہے۔